OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

اعجازِ قرآن کا سائنسی پہلو (جدید سائنسی انکشافات کے تناظر میں ایک جائزہ)

Scientific Miraculous Aspect of Holy Quran(A Review in the Light of Modem Scientific Revelations)

فوزیہ بتول
پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract

Quran is a word of Allah Almighty revealed on the Holy Prophet (PBUH) with an eternal divine law (*Shariah*). This is the gospel of ceaseless blessings and a revolutionary lesson to deliver the man his actual status. Quran has numerous aspects and each one of them itself is a miracle. Ancient nations were not enough capable to be made trustee of immortal divine law (*Shariah*) as they were only familiar with the things they could see, touch or feel with senses. That's reason they used to worship idols and were animist. So the prophets sent to them were given miracles according to their mental level. But when the human thoughts reached at the advanced level they were handed over the eternal divine law and code of life in the form of Quran, which is the prevalent miracle of Allah Almighty. The way Quran has been challenging the people for more than fourteen centuries itself proves the miraculous aspect of it.

One of its miraculous aspects is scientific. The Quran draws attention to the signs and emblems present in the earth and heavens so that man should consider among them as a result of which he gains the knowledge about Allah and knows about the splendid blessings of Allah and becomes a thankful slave of Him. Therefore, it is important to clarify modern scientific inventions and discoveries in the interpretation of the Quran. The Quran made scientific discoveries fourteen centuries ago that are being revealed to scientists today. So in this article I have discussed the latest miracles of the Quran in the scientific field which would certainly be helpful for the researchers and for those seeking Allah Almighty.

Key Words: *Quran, miracle, science, discoveries, divine law*

تمہید

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے ساتھ ہی اولاد آدم (ع) کی تعلیم وتربیت کے لیے ابتدائی درسگاہ کھول دی گئی اور نظام حیات کی ابجد سے درس شروع ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں پہلی بار شریعت کی تدوین ہوئی۔ پھر عصر خلیل علیہ السلام میں ملت اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ لیکن عصر کلیم علیہ السلام کے انسان میں شعور وادراک کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک بچھڑے کو خدا ماننے پر آمادہ تھا۔ عصر مسیح علیہ السلام میں انسانیت کی اس تربیت گاہ کو خداوند عالم نے شریعت

عیسوی کے ذریعے مزید وسعت دی اور انسانی ترقی کے نصاب میں انجیل کا اضافہ کر کے رحمت و شفقت اور انسان دوستی کی تربیت دی گئی۔

ان ادوار میں انسان ابھی عہد طفولیت میں تھا، لہٰذا اس کی تربیت و تعلیم کے لیے سمعی و بصری ذرائع سے کام لیا گیا اور انہیں ایسے معجزات دکھائے گئے جو محسوسات و مشاہدات سے متعلق تھے۔ جب انسان عقل و شعور کے لحاظ سے بلوغت کی منزل کو پہنچ گیا تو اسے محسوس معجزات کی جگہ معقول معجزہ (قرآن) دیا گیا، کیونکہ انسان اس قابل ہو گیا تھا کہ اسے ایک جامع "ضابطہ حیات" اور ایک ابدی "دستور زندگی" کا امین بنایا جائے۔ چنانچہ قرآن جیسا معجزہ عنایت فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس امّت مرحومہ کو اس قابل بنایا کہ وہ اس سرمدی امانت کی حامل بن جائے۔ اس نعمت الٰہی کی معرفت اور اس کی قدردانی کی واحد صورت یہ ہے کہ کلام اللہ کو حتی الامکان سمجھا اور سمجھایا جائے۔ کیونکہ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ ہر خشک و تر کا ذکر کر دیا ہے جسے اہلِ علم ہر دور میں واشگاف کر رہے ہیں۔ اس میں آج کے سائنسی دور میں جدید تحقیقات بھی وہ حقائق سامنے لا رہی ہیں جو صدیوں پہلے قرآن مجید نے واضح کر دیے تھے۔

معجزہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لفظ معجزۃ کا اصل مادہ 'عَجْز' ہے اور معجزۃ باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا مطلب عاجز کرنے والے کے ہیں، یہ لفظ قدرت کا متضاد ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ: "العجز نقيض الحزم، والعجز: الضعف، وعجز عن الامر اذا قصر عنه"[1] (یعنی عجز نقیض ہے حزم کا اور عجز کا معنی کمزوری و معذوری ہے، فلاں شخص کام کرنے سے عاجز ہے یعنی قاصر ہے) معجم الوسیط میں اس کا معنیٰ اس طرح آیا ہے: "عجز عن الشئ ضعف ولم يقدر"[2] (یعنی فلاں کسی کام سے عاجز آ گیا یعنی وہ کمزور ہے اور قدرت نہیں رکھتا) قرآن مجید میں اس لفظ کا اس طرح ذکر ہوا ہے:

﴿وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ﴾ [3]

ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری آیات کے بارے میں کوشش کی کہ (ہمیں) مغلوب کریں۔

اس آیت کے حوالے سے زجاج لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کافروں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ قیامت کو اٹھائے نہیں جائیں گے ناجنت ہو گی ناہی جہنم ہو گی۔[4]

معجزہ کا اصطلاحی معنیٰ

علماء نے معجزے کا اصطلاحی معنیٰ اس طرح لکھا ہے:

"أمر خارق للعادة مقرون بالتحدى سالم من المعارضة يظهره الله علىٰ يد رسله"[5]

ترجمہ: معجزہ قوانین طبیعت کو توڑنے والا وہ کام ہوتا ہے جس میں تحدی (چیلنج) موجود ہو، جو تعارض سے سلامت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرے۔

اسی سے ملتی جلتی تعریف زرقانیؒ نے بھی لکھی ہے۔[۶] قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اُسے ہم نے معجزے کا نام اِس لئے دیا ہے کہ مخلوق اُس کی مِثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔[۷] امام خازنؒ معجزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کی طرف سے (جملہ اِنسانوں کے لئے) ایک چیلنج ہوتا ہے۔ معجزہ نبی و رسول کی حقّانیت اور صداقت پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اُسے (عرفاً و شرعاً) معجزہ کا نام اِس لئے دیا گیا ہے کہ اُس کی مِثل (نظیر) لانے سے مخلوقِ اِنسانی عاجز ہوتی ہے۔[۸] البیان فی تفسیر القرآن کے مطابق معجزہ یہ ہے کہ کسی الٰہی منصب کا دعویدار اپنے دعوے کی تصدیق کے لیے قوانین طبیعت کو توڑ کر ایسا عمل انجام دے جس سے دوسرے لوگ عاجز ہوں۔[۹]

مذکورہ تعریفات کے مطابق معجزے کے لیے درج ذیل امور ضروری ہیں، ورنہ وہ معجزہ نہیں ہوگا:

۱۔ یہ عمل الٰہی منصب کا دعویٰ رکھنے والے سے صادر ہو۔ اگر کوئی اور شخص ایسا عمل انجام دیتا ہے جسے جہالت کی وجہ سے دوسرے لوگ انجام نہیں دے سکتے تو یہ معجزہ نہیں ہوگا۔

۲۔ معجزہ کے لیے لازم ہے کہ قوانین طبیعت کے مطابق نہ ہو، کیونکہ اگر طبیعی قوانین کے مطابق کوئی عمل سر انجام پاتا ہے تو یہ بھی معجزہ نہ ہوگا۔

۳۔ دوسرے لوگ اس قسم کا عمل سر انجام دینے سے عاجز ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی تجربہ فطری قوانین کے تحت طبیعت کو مسخر بنادے تو یہ معجزہ نہ ہوگا۔ خود قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّـهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾[۱۰]

ترجمہ: کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔

۴۔ معجزہ یا خارق العادۃ کام اللہ تعالیٰ کی اجازت اور حکم کے تابع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبہ ہے کوئی بھی شخص اس کے زمان و مکان کا تعین نہیں کر سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّـهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ﴾ [11]

ترجمہ: یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے
سامنے آجائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے اے محمدؐ! ان سے کہو کہ
"نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔

۵۔ معجزہ مخالف کو کھلے چیلنج کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے اور چیلنج واضح الفاظ میں ہوتا ہے کہ نبی کہے جو کام میں کر رہا ہوں تم اس کو کرنے سے مکمل عاجز ہو۔ بعض علماء نے فرق کیا ہے کہ اگر خارق العادۃ کام چیلنج کے ساتھ ہو تو وہ معجزہ ہوتا ہے اور اگر اس میں چیلنج نہ ہو تو وہ علامات النبوۃ کہلاتا ہے۔ جیسا کہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے علامات معجزہ اور کرامت دونوں کو شامل ہے، معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ اخصّ ہے۔ [12]

معجزے کی ضرورت

انسانی ہدایت کے لیے رسولوں کا مبعوث ہونا از روئے عقل و نقل ضروری ہے اور جب تک انبیاء کے پاس اپنے دعوے پر شاہد کے طور پر ایک مضبوط اور ٹھوس دلیل نہ ہو لوگ انہیں قبول نہیں کرتے اور اللہ کی طرف سے اتمام حجت بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان نبوت فرمایا:

﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [13]

ترجمہ: اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

تو فرعون نے دلیل مانگی:

﴿قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [14]

ترجمہ: (فرعون نے) کہا: اگر تم سچے ہو اور کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو۔

ظاہر ہے کہ وہ نشانی اور حجت معجزے کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ دلیل اگر عاجز کر دینے والی (معجزہ) نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دوسرے لوگ بھی ایسی ہی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ یوں ہر شخص کے لیے دعویٰ نبوت کرنا آسان ہو جائے گا اور اگر یہ دلیل صرف معجزہ میں منحصر ہو جائے تو جھوٹے دعویداروں کی قلعی کھل جائے گی۔

دوسری طرف ہدایت الٰہیہ اور خدائی دعوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان عقائد و نظریات، روایات و عادات اور مذاہب و ادیان کو ترک کر دیں جو باپ دادا سے انہیں وراثت میں ملی ہیں اور یہ کوئی آسان کام نہیں کہ کسی کے کہنے پر لوگ مروجہ عادات و رسوم ترک کر کے کوئی اور عمل سرانجام دیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی طرف سے دعوت جبر و اکراہ کے ساتھ نہیں ہوتی کیونکہ ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [15] (یعنی دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں) نہ ان جدید نظریات کو طاقت کے ذریعے مسلط کیا جا سکتا ہے، ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ [16] (یعنی آپؐ ان پر مسلط نہیں ہیں) بلکہ انبیاء کی دعوت دلیل و منطق کے ساتھ محبت اور ہمدردی پر مبنی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تو عقائد و نظریات کا معاملہ ہے جو دلوں سے مربوط ہے۔ اگر

جسموں پر تسلط ہو بھی جائے تو بھی نظریات دل میں جاگزیں نہیں ہوں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انبیاءؑ اپنے دعوے کی سچائی کے لیے معجزہ پیش کریں۔

قرآن ایک ابدی معجزہ

قدیم امتیں عقل و فہم کے لحاظ سے اس قابل نہ تھیں کہ انہیں ایک ابدی شریعت کا امین بنایا جائے۔ وہ صرف محسوسات کے ادراک کے قابل تھیں۔ اس لیے وہ لوگ اپنے معبود کو بھی محسوس یعنی بت کی شکل میں لاتے تھے۔ ان کی طرف انبیاء بھیجے گئے تو انہیں جو معجزے دیئے گئے وہ بھی محسوس معجزات تھے۔ عصائے موسیٰ (ع)، ید بیضا، شق دریا اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ محسوس معجزات تھے۔ انسانیت جب عقل و ادراک کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس قابل ہو گئی کہ ایک ابدی شریعت اور دائمی دستور حیات کی امین بنائی جائے تو اسے جو معجزہ قرآن کی شکل میں دیا گیا، وہ معجزہ بھی ہے، ہدایت و رحمت بھی ہے اور شفا بھی اور ساتھ ایک نظام حیات بھی۔

معجزے کی اہمیت و عظمت دعوے کی اہمیت و عظمت سے مربوط ہے۔ ان دونوں میں تناسب بھی ضروری ہے۔ اگر دعویٰ محدود ہے تو معجزہ بھی محدود ہی ہو گا۔ اگر دعویٰ وقتی ہے تو معجزہ بھی وقتی ہو گا۔ لیکن اگر دعویٰ ابدی ہے تو معجزہ بھی ابدی ہو گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ (ع) کو اپنے دور کا معجزہ دیا گیا۔ یعنی سحر و ساحری کا توڑ۔ حضرت عیسیٰ (ع) کو ان کے زمانے کا معجزہ دیا گیا یعنی طب و مسیحائی۔ مگر چونکہ ان کے دعوؤں میں ابدیت نہ تھی، اس لیے ان کا معجزہ بھی انہی کے زمانے تک محدود تھا۔ لیکن رسالتمآب ﷺ کی نبوت و رسالت ایک ابدی اور ہمہ گیر رسالت تھی، اس لیے آپ (ص) کو ایسا معجزہ عطا ہوا جو کسی حد بندی میں محدود نہیں۔ لہٰذا معجزۂ رسول ﷺ یعنی قرآن مجید افراد، زمان، مکان اور موضوع کے اعتبار سے جامع، ہمہ گیر اور ابدی ہے۔

قرآن کا چیلنج

قرآن کے ابدی اور زندہ معجزہ ہونے پر اس سے واضح اور بین ثبوت کیا پیش کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کے چیلنج کی آواز پندرہ صدیوں

سے علم و ادب اور فکر و نظر کی وسیع فضاؤں میں گونج رہی ہے اور آج تک دنیا کا کوئی نابغہ، مفکر، ادیب اور دانشور اس چیلنج کے سامنے ایک لمحے کے لیے ٹھہرتا ہوا نظر نہیں آیا۔ حتیٰ کہ کسی ملت میں بھی تاب مقاومت نہیں ہوئی۔ قرآن مجید نے اس چیلنج کو بار بار اور مختلف صورتوں میں دہرایا ہے۔ کبھی ارشاد ہوا: ﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صٰدِقِيْنَ﴾[17] (پس اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا لائیں۔) کبھی دس سورتوں کا مطالبہ فرمایا: ﴿قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيٰتٍ﴾[18] (کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی خود ساختہ دس سورتیں بنا لاؤ) کبھی ایک مختصر سورت ہی کی دعوت دی: ﴿أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهِ﴾[19] (کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو) محمد نے (از خود بنایا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر تم) اپنے الزام میں (سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورۃ بنا لاؤ) اتنے غیر مبہم الفاظ میں ایسی وضاحت کے ساتھ کسی چیلنج میں اس سے زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا۔

نہایت قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے چیلنج کا رخ کسی ایک وقت، ایک صنف، ایک جماعت، ایک علاقے یا ایک زمانے کے افراد کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی ہی طرح ایک ابدی اور لازوال چیلنج ہے، جس کی گونج قیام قیامت تک باقی رہے گی اور بنی نوع انسان کے تمام افراد اس میں شامل ہیں بلکہ قرآن میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر تم انفرادی طور پر اس قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بیشک اجتماعی کوشش کر دیکھو اور اللہ کو چھوڑ کر دنیا بھر کی مدد لے لو اور ہو سکے تو جنوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو۔[۲۰]

اس کے لیے کوئی تاریخ اور وقت مقرر نہیں بلکہ یہ ایک کھلا چیلنج ہے اور اس کی آواز ہر زمانے کی فضاؤں میں گونجتی اور دعوت مبارزت دیتی رہے گی۔

اعجاز القرآن کی اقسام

۱۔ قرآن مجید کا اعجازِ بیان

قرآن مجید فصیح و بلیغ عربی میں نازل ہوا ہے۔ قرآن مجید کی فصاحت کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی مستعمل عربی زبان میں نازل ہوا جس کے معانی واضح ہیں اور اس میں کوئی پیچیدگی یا سقم نہیں ہے۔[۲۱] اور بلاغت کا مطلب ہوتا ہے لفظ کی بہترین صورت کے ساتھ معانی کو (قاری) کے قلب تک پہنچانا۔[۲۲] اس لحاظ سے قرآن کریم کے معانی واضح اور قلب پر اثر انداز ہونے والے ہیں۔

جس دور میں قرآن کا نزول ہوا اس وقت عربوں میں نابغہ افراد کی کوئی کمی نہ تھی اور اس کے ساتھ ساتھ فراغت بھی حاصل تھی۔ مگر اس کے باوجود یہ لوگ ایک چھوٹی سی سورت بنانے سے بھی عاجز تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام الٰہی میں ایک لفظ کی جگہ بدلنے سے بھی نہ صرف آیت کے معنی درہم برہم ہو جاتے ہیں بلکہ اس کی طرز اور روح کلام بھی تبدیل ہو جاتی ہے اور یہی بات کلام الٰہی کے معجزہ ہونے کا معیار ہے۔

چنانچہ ایک شخص نے سورۂ حمد کا مقابلہ کرنے کی ایک سعی لاحاصل کی اور یوں عبارت تشکیل دی: (الحمد للرحمن، رب الاکوان، ملک الدیان، لک العبادۃ و بک المستعان، اھدنا صراط الایمان) حالانکہ اللہ اسم ذات ہے جو تمام اوصاف کا مجموعہ ہے، لہٰذا احمد کی نسبت اس ذات کی طرف ہوتی ہے جس میں تمام اوصاف موجود ہوں، نہ کہ کسی ایک صفت کی طرف۔ اسی طرح لفظ رب کی اضافت عالمین کی بجائے الاکوان کی طرف درست نہیں، کیونکہ الاکوان، کون کی جمع ہے اور کون وجود و حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ وجود و حدوث کی طرف لفظ خلق کی اضافت تو درست ہو سکتی ہے، یعنی خالق الاکوان کہنا تو کسی قدر درست ہو سکتا ہے مگر رب الاکوان کہنا کسی طور پر درست نہیں۔ جب کہ عالمین کی طرف رب کی نسبت میں اتنے اسرار و رموز ہیں جو اس وقت ہمارے دائرہ بیان سے باہر ہیں۔[۲۳]

۲۔ قرآن مجید کا تشریعی اعجاز

رسول کریم (ص) نے یہ قرآن تئیس سال کی مدت میں پیش فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ مختلف کٹھن حالات اور جنگوں سے سے گزرے۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں اگر محمد (ص) عربی صرف انسانی اور بشری حیثیت سے یہ قانون دے رہے ہوتے تو یقیناً اس طویل عرصے میں دیے جانے والے قانون کے اجزا اور مختلف شقوں میں اختلاف اور تضاد آ جاتا۔ جبکہ پورے قانون اسلام اور بیان قرآن میں کہیں بھی کوئی تضاد نہ ملے گا اور اس بارے میں بھی قرآن کا چیلنج ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ [۲۴]

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

قرآن نے حضور گرامی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کو بھی چیلنج کے طور پر پیش کیا کہ دیکھو محمد ﷺ خود اپنی قوم میں زندگی بسر کرتے رہے۔ انہوں نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا بلکہ مکہ کے معاشرے میں تو کوئی عالم بھی موجود نہ تھا اور نہ ہی حجاز کبھی علمی مرکز رہا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کا ایک ایسا جامع نظام حیات پیش کرنا جس کی نظیر لانے سے نہ صرف اس زمانے کے لوگ عاجز رہے بلکہ آج تک کوئی ایسا نظام پیش نہ کر سکا اور نہ ہی آپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام میں کوئی نقص ثابت کر سکا۔ یہ سب کچھ خود ایک کھلا چیلنج ہے اور اسے قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوْتُہٗ عَلَیْکُمْ وَلَآ اَدْرٰىکُمْ بِہٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [۲۵]

کہہ دیجیے: اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا اس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

چنانچہ چالیس سال آپ (ص) نے اس قوم میں زندگی بسر کی اور اس عرصے میں آپ (ص) نے نہ کوئی شعر کہا، نہ خطبہ دیا اور نہ کوئی اور غیر معمولی ہنر دکھایا اور پھر دفعتاً قرآن جیسی عظیم کتاب اور اسلام جیسا جامع نظام حیات پیش کر دیا۔ ایسی مثال، جو اس جہاں میں کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا۔

۳۔ قرآن مجید کا سائنسی اعجاز

قران مجید کے اعجاز کا ایک سائنسی اور تجربی پہلو بھی نمایاں ہے۔ سائنس کی آج کی اس ترقی کے دور وہ تمام حقائق سامنے آ رہے ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کر دیے تھے۔ اس لیے اگر یہ کلام بشر ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ ایک انسان ان حقائق سے پردہ اٹھاتا جب کہ اس دور میں سائنسی حقائق سے آشنائی کے کوئی وسائل بھی موجود نہیں تھے۔ اور اگر قرآن کے بتائے ہوئے سائنسی حقائق میں حقیقت نہ ہوتی تو قرآن مجید انسان کو فکر و تدبر، تحقیق و

تدقیق اور عقل سے کام لینے کی دعوت کیوں دیتا بلکہ قرآن تو اس عمل کو عبادت قرار دیتا ہے اور اسے ترک کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ﴾[26]

ترجمہ: کہہ دیجیے: تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ خلقت کی ابتدا کیسے ہوئی۔

آیت کا پہلا حصہ مشاہدہ کی دعوت ہے۔ قرآن اور سائنس دونوں مشاہدے کو معارفِ انسانی کی اساس قرار دیتے ہیں۔ اور دوسرا حصہ (فَانْظُرُوْا) یعنی عقل کا استعمال کرو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مشاہدات و محسوسات کی بنیاد پر عقل کو یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ (كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ) یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی بار مخلوق کو کیسے پیدا کیا۔

اس آیت سے ایک حیرت انگیز یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن اس طرز استدلال کو صحیح قرار دیتا ہے جس میں محسوسات اور مشاہدات پر مبنی عقلی استدلال اور نتیجہ گیری ہو۔ صرف مشاہدہ یا صرف عقلی استدلال سے کسی مفہوم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اسی مفہوم کو ایک اور آیت میں مزید وضاحت سے بیان کیا گیا:

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا﴾[27]

ترجمہ: کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے ہو جاتے؟

اس آیت میں دلوں کے تعقل کو (سِيْرُوْا فِي الْاَرْض) کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے جو کہ نہایت قابل توجہ امر ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے علمی اعتبار سے بھی چیلنج دیا کہ دیکھو اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے:

﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾[28]

ترجمہ: اور کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

ذیل میں ہم جدید سائنسی انکشافات کا جائزہ قرآن مجید کی روشنی میں لیتے ہیں۔

ا۔ زمین

قران مجید میں بہت ساری ایسی آیات ہیں جن میں زمین کی خلقت، اس کی انتہا اور دیگر خصائص کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور اس کو نشانیوں کا خزینہ قرار دیا ہے: ﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾[29] (اور زمین میں اہل یقین کے لیے نشانیاں ہیں)، ماہرین ارضیات (جیالوجسٹ) اپنی سالہاسال کی تحقیقات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زمین ابتدا میں ایک آتشیں کرہ تھی، اس کے بعد تدریجاً سرد ہونا شروع ہوئی، پھر بارش کا دور شروع ہوا، پھر اس کے بعد سبزہ اگنا شروع ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید زمین کے ارتقائی مراحل کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا﴾[30]

ترجمہ: کیا تمہارا خلق کرنا زیادہ مشکل ہے یا اس آسمان کا جسے اس نے بنایا ہے؟ اللہ نے اس کی چھت اونچی کی پھر اسے معتدل بنایا اور اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن کیا اور اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا، اس نے زمین سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔

اس آیہ مبارکہ سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے: پہلا مرحلہ: رات اور دن کا سلسلہ، دوسرا مرحلہ: دحوالارض (زمین کو حرکت دینا)، تیسرا مرحلہ: سبزہ اگایا جانا۔

زمین کے ارتقائی مراحل کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا:

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَه اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ﴾[۳۱]

ترجمہ: کہہ دیجیے: کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو اور اس کے لیے مدمقابل قرار دیتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا؟ وہی تو عالمین کا پروردگار ہے اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکات رکھ دیں اور اس میں چار دنوں میں حاجتمندوں کی ضرورت کے برابر سامان خوراک مقرر کیا۔

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے درج ذیل چیزوں کو ترتیب وار خلق فرمایا: ۱۔ پہلے زمین کو خلق فرمایا، ۲۔ اس کے بعد اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔ ۳۔ اس کے بعد زمین کو قابل سکونت بنایا (بٰرَكَ فِيْهَا)، ۴۔ زمین پر بسنے والوں کے لیے روزی مقرر کی۔

حرکت زمین: اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ [۳۲] (اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا)

مفسرین نے دحو کا ترجمہ و تفسیر "بچھانا" کیا ہے کیونکہ قدماء کے لیے حرکت ارض ایک ناقابل تصور و توجیہ امر تھا۔ تاج العروس میں دحو کے یہ معنی لکھے ہیں:

"دحا السیل بالبطحاء: دحی و المطر الداحی الذی یدحو الحصی عن وجه الارض بنزعه دحی الرمی بقهر"[۳۳]

یعنی سیلاب نے کنکروں کو دور پھینک دیا۔ اس بارش کو المطر الداحی کہتے ہیں جو کنکروں کو زمین سے اکھاڑ پھینکتی ہے طاقت کے ساتھ دور پھینکنے کو الدحی کہتے ہیں۔

المنجد میں تحریر ہے کہ دحی الحجر بیده کا معنی ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے پتھر پھینکا۔[۳۴]

یوں لغت کی رو سے مندرجہ بالا آیت کے معنی یہ ہو سکتے ہیں: اس کے بعد اس نے زمین کو حرکت دے دی۔ البتہ الدَّحْوُ بچھانے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ آیت حرکت زمین پر صراحتاً دلالت کرتی ہے۔ دوسری جگہ زمین کی حرکت کے بارے میں ایک اور لطیف اشارہ ملتا ہے:

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾[۳۵] (جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا)

گویا زمین کو گہوارے سے تشبیہ دے کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ زمین انسانوں کے لیے گہوارہ اس لیے ہے کہ اس کی حرکت میں سکون اور گردش میں لذت اور جنبش میں تنوع ہے۔ زمین کی حرکت کو مزید وضاحت کے ساتھ قرآن وسنت میں اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ قرآن ایک ایسے زمانے میں نازل ہو رہا تھا جس میں حرکت زمین کسی اعتبار سے بھی ناقابل فہم بات تھی۔

زمین خلا میں: قرآن مجید جس زمانے میں نازل ہوا، اس وقت زمین کے بارے میں لوگوں کا نظریہ اس حد تک خرافاتی تھا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ زمین کو ایک گائے اپنے سینگ پر اٹھائے ہوئے ہے یا زمین پشتِ نہنگ پر واقع ہے۔ ایسے ماحول میں عام فکر سے ہٹ کر قرآن نے یہ واضح کیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾[۳۶]

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کو یقیناً تھامے رکھتا ہے کہ یہ اپنی جگہ چھوڑ نہ جائیں اگر یہ اپنی جگہ چھوڑ جائیں تو اللہ کے بعد انہیں کوئی تھامنے والا نہیں ہے، یقیناً اللہ بڑا بردبار، بخشنے والا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں یُمْسِک کا لفظ آیا ہے جس کے معنی تھامنے کے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ وہ (اللہ) زمین کو وجود میں لایا اور بغیر اس کام میں الجھے ہوئے اسے برابر تھامے رکھا اور بغیر کسی چیز پر ٹکائے ہوئے اس نے اسے برقرار کیا اور بغیر ستونوں کے اسے قائم کیا، کجی اور جھکاؤ سے اسے محفوظ رکھا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے اور بکھرنے سے اسے بچائے رکھا۔[۳۷] قرآن ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا﴾[۳۸] (کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے کِفَات نہیں بنایا) تاج العروس میں مرقوم ہے کہ کفات سرعت سے پرواز کرنے کو کہتے ہیں۔[۳۹] زمین کی پرواز قدماء کے لیے قابل فہم نہ ہونے کی وجہ سے کِفَات کے معنی انہوں نے "جمع" کے لیے اور آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے: کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔

کفاتاً مصدر ہے یا مفعول مطلق ہے، فعل محذوف ہے یعنی تکفت کفاتا اور کفاتاً بمعنی اسم فاعل بھی آ سکتا ہے۔ اس صورت میں احیاءً واموا تاً حال بنے گا یا مفعول بہ یعنی زندوں اور مردوں کو لے کر پرواز کرنے والی زمین۔

زمین۔ قدرت کا ریکارڈر: قیامت کے دن زمین کی طرف سے انسانی اعمال کی گواہی اور انسان کا ان اعمال کا مشاہدہ کرنے کے بارے میں قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا﴾[۴۰] (اس دن وہ) زمین (اپنے حالات بیان کرے گی کیونکہ اس کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے) قدماء کے لیے خود عمل دکھائے جانے کا تصور ناقابل فہم تھا اس لیے انہوں نے "تجسم اعمال" کے ساتھ اس کی تاویل کی اور کہا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه﴾[۴۱] سے مراد ہے کہ عمل کی جزا اور سزا دیکھے گا۔ خود عمل تو دنیا میں ہو چکا، وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں۔ حالانکہ قرآن میں اس آیت سے پہلے صراحتاً کہا گیا ہے: ۔لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ[۴۲] اس

صراحت کی بھی وہ تاویل کرتے تھے کہ اعمال مجسم ہو کر سامنے آئیں گے۔ لیکن آج تاویل کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اعمال بصورت انرجی باقی رہتے ہیں اور فضائے زمین سے ناپید نہیں ہوتے، بلکہ فضائے زمین انسانی حرکات وسکنات کو اور اقوال وافعال کو اپنے اندر ضبط اور محفوظ کر لیتی ہے۔[۴۳] ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾[۴۴]

ترجمہ: اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ ان سب کو حاضر پائیں گے اور آپ کا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

مفسرین نے یہاں بھی تاویل کی کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال مجسم ہو کر سامنے موجود ہوں گے۔ یہ تاویلات اس لیے تھیں کہ علمائے قدیم کے لیے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ یہ زمین ایک کتاب کی طرح ہے جس میں خود عمل ثبت ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ جب انسان اس آفاقی کتاب کا بروز قیامت مشاہدہ کرے گا تو کہے گا:

﴿يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾[۴۵]

ترجمہ: ہائے ندامت! یہ کیسا نامہ اعمال ہے؟ اس نے کسی چھوٹی اور بڑی بات کو نہیں چھوڑا) بلکہ (سب کو درج کر لیا ہے۔

انسان اپنے خود عمل کو قیامت کے دن کیسے دیکھ سکے گا؟ یہ بات قرآن مجید میں بڑے واضح پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾[۴۶] (بے شک تو اس چیز سے غافل تھا، چنانچہ ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے، لہٰذا آج تیری نگاہ بہت تیز ہے)

تجسیم اعمال کی دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سائنسی اعتبار سے جیسا کہ مادہ انرجی میں بدل جاتا ہے اور انرجی مادے میں بدل جایا کرتی ہے، لہٰذا انسانی اعمال اگرچہ آج انرجی ہیں، کل بروز قیامت یہ اعمال مادے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ چنانچہ بعض روایات سے بھی اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ انسانی تسبیح و تمجید جنت میں خشت و خاک کی صورت اختیار کر لے گی۔ جس سے قصور و محلات تعمیر ہوں گے۔[۴۷]

۲۔ استخوان کا نظام

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ہڈیاں اعصاب پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہیں اور تولید نسل میں بھی ہڈیوں کا بڑا دخل ہے۔ ہڈیوں میں غذائی مواد کا ایک ذخیرہ موجود ہوتا ہے جس سے جسم ہنگامی ضرورت پوری کرتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ خون میں موجود سرخ جثیموں سے انسانی جسم میں خون اپنا فعال کردار ادا کرتا ہے، جس کی وجہ سے ہر منٹ میں ۱۸۰ ملین جثیمے استعمال ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ تازہ دم جثیمے پیدا کرنے کی ذمہ داری ہڈیوں پر عائد ہوتی ہے۔ ہڈیوں سے بہت سے قدیم مسائل کے حل میں مدد لی جاتی ہے۔ سائنسدان مردوں کی ہڈیوں سے ان کی عمریں، مرض، جنس، قد، نژاد، جرم غرض ان کی زندگی اور ماحول وغیرہ کی پوری تاریخ کا مطالعہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہڈیوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا﴾[48]

ترجمہ: پھر ان ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں۔

۳۔ عناصر کی مقدار

کائنات میں موجود عناصر ایک خاص مقدار میں تشکیل پاتے ہیں۔ عناصر کی اپنی ذاتی تشکیل یا دوسرے عناصر کے ساتھ اتحاد دونوں باتیں ایک معینہ مقدار اور ایک آفاقی محکم قانون کے تحت انجام پاتی ہیں۔ عناصر کی تشکیل میں ایک جامع آفاقی نظام کے انکشاف کے بعد سائنسدانوں نے دیکھا کہ مختلف عناصر کے درمیان کچھ کڑیاں غائب ہیں جو موجود ہونی چاہئیں۔ ان کی تلاش ضروری ہے۔ چنانچہ بعد میں عین اسی تسلسل کے مطابق مزید عناصر کا انکشاف ہوا اور تشکیل عناصر کے آفاقی نظام کے تحت کڑیاں مل گئیں۔ چنانچہ شمسی نظام کے تحت مشتری اور مریخ کے درمیان کڑیاں نہیں ملتی تھیں اور سائنسدانوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان دونوں سیاروں کے درمیان ایک اور سیارہ ہونا چاہیے اور اسے تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ بعد میں اس سیارے کا انکشاف ہوا اور یہ کڑی بھی مل گئی۔

قرآن مجید نے اس آفاقی نظام اور کائنات کے حسابی قوانین کی طرف کس جامع اور لطیف انداز میں دو لفظوں میں ارشارہ فرمایا ہے: ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَه بِمِقْدَارٍ﴾[۴۹] (اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار ہے)

۴۔ نظریہ اضافت

نیوٹن کی طرف سے کشش ثقل کے انکشاف کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ فوق اور تحت مطلق وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ دونوں اضافتی مفہوم ہیں کہ ایک جگہ کچھ لوگوں کے لیے تحت ہے اور عیناً وہی جگہ کچھ دوسرے لوگوں کے لیے فوق ہے۔ لیکن ایک اور سائنسدان آئن سٹائن نے نظریہ اضافت قائم کر کے یہ بھی ثابت کر دیا کہ دنیا میں ہر شے اضافتی ہے۔ یہ کائنات یک گونہ نہیں ہے۔ منجملہ زمان بھی مطلق نہیں، بلکہ اضافتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز نور کی رفتار سے زیادہ سرعت سے سفر کرے تو اس کا وقت اور سفر نہ کرنے والی دوسری اشیاء کا وقت مختلف ہو گا۔ بعض سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق اگر کوئی شخص خلائی جہاز میں نور کی رفتار سے سفر کرے تو جب اس مسافر کو سفر کرتے ہوئے صرف ۲۹ سال گزریں گے تو زمین والوں کے لیے تین ملین یعنی ۳۰ لاکھ سال گزر چکے ہوں گے۔[۵۰]

اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت ہماری توجہ مرکوز کرتی ہے:

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُه اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾

ترجمہ: وہ آسمان سے زمین تک امور کی تدبیر کرتا ہے، پھر یہ امر ایک ایسے دن میں اللہ کی بارگاہ میں اوپر کی طرف جاتا ہے جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعاً اس آیت سے مراد نظریۂ اضافت ہی ہو لیکن ایک امکانی صورت موجود ہو سکتی ہے کیونکہ نظریہ اضافت ایک تھیوری سے زیادہ نہیں ہے۔

۴۔ نظام زوجیت

نزول قرآن سے پہلے عام خیال یہ تھا کہ زوجیت کا نظام حیوانات اور نباتات میں ہی قائم ہے۔ لیکن قرآن کریم کے انکشاف کے مطابق زوجیت ایک کائناتی نظام ہے اور ہر شے زوجیت پر قائم ہے۔ حتیٰ کہ کائنات کی سب سے چھوٹی مخلوق (ایٹم) بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾[۵۱] (اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو) ایک اور آیت میں اللہ نے نظام زوجیت کو تین مختلف عوالم میں تقسیم فرمایا ہے: ۱۔ عالم نباتات؛ ۲۔ عالم انفس؛ ۳۔ عالم مجہولات۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[۵۲]

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جنہیں یہ جانتے ہی نہیں۔

نظام زوجیت ان چیزوں میں بھی موجود ہے جنہیں انسان جانتے تک نہیں۔ حتیٰ کہ وہ کل کائنات کا جوڑا اینٹی (Anti) کائنات تلاش کیا جارہا ہے۔

۵۔ تسبیح ایک آفاقی فریضہ

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا کام صرف انسان ہی نہیں کرتے بلکہ غیر انسانی مخلوقات بھی کرتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُ﴾[۵۳]

ترجمہ: اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

مفسرین نے یہاں پر ہر شے کی تسبیح سے مراد یہ لیا ہے کہ ان چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتا ہے یا ان کے وجود میں جو حکمت الٰہیہ مضمر ہے، یعنی ہر چیز بزبان حال بتاتی ہے کہ ان حکمت آمیز اشیاء کا خالق ہر نقص و شرک سے پاک ہے۔ مگر یہ تفسیر درج ذیل وجوہ کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے:

۱۔ اس آیت میں فرمایا گیا: لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو) لیکن اگر تسبیح سے مراد یہی تکوینی تسبیح ہے تو اسے تو ہم سمجھ بھی رہے ہیں اور بیان بھی کر رہے ہیں۔

۲۔ دوسری جگہ پر ارشاد ہوا ہے کہ یہ اشیاء اپنی دعا و تسبیح کا علم بھی رکھتی ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾[۵۴]

ترجمہ: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی؟ ان میں سے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

پس اگر یہ تکوینی تسبیح ہے تو خود اشیاء کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

۳۔ قرآن کریم نے ان میں سے بعض کی تسبیح کے لیے وقت بھی بتایا ہے کہ پہاڑ صبح و شام تسبیح پڑھتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَه يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾[55]

ترجمہ: ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا، یہ صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔

اگر تسبیح سے مراد تکوینی تسبیح ہے تو اس کا کوئی وقت نہیں ہوتا بلکہ یہ تو غیر ارادی طور پر خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں کی تسبیح کا وقت بھی مقرر ہے اور معین وقت کی تسبیح کبھی بھی بلا شعور نہیں ہو سکتی ہے۔[56]

چنانچہ جدید سائنسی تحقیقات بھی اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ پودوں میں بھی شعور و ادراک موجود ہے۔ اور پودے بھی انسانوں کی طرح حواس رکھتے ہیں اگرچہ استعمال مختلف ہو سکتا ہے۔[57] چنانچہ یہ امر ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پودوں میں ڈر، خوشی، سرمستی اور دیگر قسم کے شعور موجود ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں اس سلسلے میں مزید انکشافات ہوں گے۔ یوں قرآن ہر دور میں اپنا تازہ ترین معجزہ پیش کرتا رہے گا۔

۶۔ فضائے آسمان

قرآن مجید نے فضائے آسمان کی کیفیت اس زمانے میں بتائی جب لوگوں کو ابھی یہ بھی علم نہ تھا کہ اگر انسان اس میں بلند ہو جائے تو کیسے حالات سے دوچار ہو گا۔ لیکن اس صدی کے انسان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ انسان زمین سے جتنا بلند ہوتا جاتا ہے، ہوا اتنی ہی رقیق سے رقیق تر ہوتی جاتی ہے۔ زیادہ بلندی پر پہنچ جانے کی صورت میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے انسان کے لیے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے مزید بلند ہونے پر انسان تنگی تنفس سے ہلاک ہو سکتا ہے۔ یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد درج ذیل آیت میں قرآن کا پیش کردہ مفہوم واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَه يَشْرَحْ صَدْرَه لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّه يَجْعَلْ صَدْرَه ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ﴾[58]

ترجمہ: پس جسے اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہو۔

۷۔ آسمانوں کی زندہ مخلوقات

اگرچہ سائنسدانوں کو یہ توقع ہے کہ دیگر سیاروں پر زندگی کے آثار موجود ہو سکتے ہیں لیکن آج تک انسان سوائے ظن و تخمین کے کسی آسمانی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جان سکا مگر قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ بتا دیا ہے کہ آسمانوں میں زندہ مخلوقات موجود ہیں:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِه خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾[59]

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور وہ جاندار جو اس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں اس کی نشانیوں میں سے ہیں اور وہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر خوب قادر ہے۔

اس آیہ شریفہ میں ان مخلوقات کے آئندہ ایک جگہ جمع ہونے کی پیشین گوئی بھی ہے۔ لہٰذا جب انسان آسمانی مخلوق سے آشنائی پیدا کرے گا اور یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھیں گے تو اس وقت قرآن مجید ﴿وَ هُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ کے الفاظ میں تازہ ترین معجزہ پیش کر رہا ہوگا۔

۸۔ کائنات کی وسعت

یہ کائنات متناہی ہے یا لامتناہی۔ یہ ایک الگ بحث ہے، لیکن اب تک انسان نے اس کائنات کی وسعت کے بارے میں جو علم حاصل کیا ہے، وہ اگرچہ حقیقت کائنات کے مقابل تو ہیچ ہے، لیکن پھر بھی اس سے کائنات کا ایک عظیم نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس وسیع کائنات میں ابھی کئی کہکشائیں ایسی بھی ہیں جن کی روشنی ہم تک نہیں پہنچی۔ یعنی کھربوں سال سے ان کی روشنی مسافت طے کر رہی ہے مگر ابھی تک وہ زمین پر نہیں پہنچ سکی۔[۶۰]

علم فلکیات کا یہ نظریہ اب ماہرین کے ہاں مسلمہ قرار پا چکا ہے کہ یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ اور کہکشائیں ہم سے دور ہٹ رہی ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں جب آئن سٹائن نے اضافت عمومی کی مساوات کا نظریہ پیش کیا تھا تو اس نے ثابت کیا تھا کہ یہ کائنات یا تو سکڑ رہی ہے یا پھیل رہی ہے۔ جب کہ اس سے پہلے کے ماہرین کائنات کو ثابت اور غیر متحرک سمجھتے تھے۔ اس وقت نظریے کو اپنے نظریہ اضافت عمومی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے آئن سٹائن نے مجبوراً "مستقل کائنات" کا نظریہ قائم کیا جو خود اس کے اپنے نظریے سے متصادم تھا۔ چنانچہ بعد میں اس نے خود اعتراف بھی کیا کہ میری زندگی میں یہ سب سے بڑی سائنسی غلطی کا ارتکاب تھا۔[۶۱]

بعد میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ کائنات بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور کہکشائیں دور ہٹ رہی ہیں اور مزید یہ انکشاف بھی ہوا کہ کسی کہکشاں کے دور ہٹنے کی رفتار اس فاصلے سے متناسب ہے جو ہمارے اور اس کہکشاں کے درمیان ہے۔

خالق کائنات نے اس کا پہلے ہی یوں اعلان کر رکھا ہے:

﴿وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾[۶۲]

ترجمہ: اور آسمان کو ہم نے اپنی طاقت سے بنایا اور ہم ہی وسعت دینے والے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اس کو یوں بیان کیا:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید — کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فَیَکُون[۶۳]

۹۔ مخمور آنکھیں

آسمان کی خلاؤں میں روشنی مختلف رنگوں میں یوں رقص کیا کرتی ہے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی آنکھیں کسی جادو کا شکار ہو گئی ہیں۔ سائنس فکشن میں معروف آرتھر کلارک نے اپنی کتاب "انسان اور خلا" میں اس موضوع

کو بیان کرنے کے لیے ایک باب مخصوص کیا ہے جس میں اس نے خلانوردوں کے بیانات تحریر کیے ہیں کہ جب وہ خلائے بسیط میں پہنچے تو انہوں نے وہ عجب رنگا رنگ، چمک دمک اور اس سے ایک ہم آہنگی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور انہیں محسوس ہوا کہ گویا ان پر نشہ طاری ہو گیا ہے یا ان کے آنکھوں کو جادو کر دیا گیا ہے۔ [۶۴]

اس حوالے سے قرآن مجید میں ملتا ہے:

﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ [۶۵]

ترجمہ: اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ روز روشن میں اس پر چڑھتے چلے جائیں تو یہی کہیں گے: ہماری آنکھوں کو یقیناً مدہوش کیا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو خلا میں سب سے پہلے خلانورد کے الفاظ وہی تھے جو قرآن نے فرمائے ہیں۔ مزید تحقیق قرآن کے اس بیان سے مزید پردے اٹھا سکتی ہے۔

۱۰۔ نطفہ امشاج

صلبِ پدر سے رحمِ مادر کی طرف مادہ منویہ کا سفر خدا شناسی اور خود شناسی کے لیے حیرت انگیز درس ہے۔ یہ نطفہ کروڑوں جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسری طرف تخم عورت کے رحم کے آخری سرے پر ایک نلی میں موجود ہوتا ہے۔ جرثومے اور تخم کا ملاپ اسی نلی میں ہوتا ہے۔ جرثوموں کی ایک معتدبہ تعداد تخم میں داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ جب ایک جرثومہ اپنی نوک سر کے ذریعے تخم میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اسی وقت دیگر تمام ناکام جرثوموں کو باہر دھکیل دیا جاتا ہے۔ واضح رہے انسان کے جسم میں موجود جسمانی خلیے کا مرکزہ ۴۶ کروموسومز (Chromosomes) پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک مستقل سیل (Cell) ہے، لیکن جنسی خلیے کے مرکزہ میں ۲۳ کروموسومز (Chromosomes) ہوتے ہیں جو جسمانی خلیے کا نصف ہیں۔ چنانچہ انسانی تخلیق کے لیے ایک مستقل سیل (نطفہ) تشکیل دینے کے لیے مرد و زن میں سے ہر ایک ۲۳ کروموسومز فراہم کرتے ہیں، جس سے ایک مستقل سیل، قرآنی اصطلاح کے مطابق نطفہ امشاج (مخلوط نطفہ) وجود میں آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ [۶۶]

ترجمہ: ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ اسے آزمائیں، پس ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا۔

'امشاج' جمع ہے اور اس کا مفرد 'مشج' ہے۔ 'نطفہ امشاج' میں نطفہ موصوف اور امشاج صفت ہے۔ امشاج جمع ہونے کی صورت میں نطفہ کو بھی جمع ماننا پڑے گا کیونکہ عربی گرائمر کے تحت مفرد کی صفت مفرد اور جمع کی صفت جمع ہی آتی ہے۔ نطفہ اس حالت کو کہتے ہیں جس میں ۲۳ پدرانہ اور ۲۳ مادرانہ کروموسومز کا ملاپ اور اختلاط ہو۔ لہٰذا جدید ترین نظریہ اس آیت کے ساتھ صحیح مطابقت رکھتا ہے۔

مضغۂ غیر مخلقۃ: ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾[۶۷]

ترجمہ: اے لوگوں! اگر تمہیں موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں شبہ ہے تو (سوچو) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی تخلیق شدہ اور غیر تخلیق شدہ بوٹی سے تاکہ ہم (اس حقیقت کو) تم پر واضح کریں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک مقررہ وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ﴾[۶۸]

ترجمہ: پھر ہم نے لوتھڑے کو بوٹی کی شکل دی۔ پھر ہم نے بوٹی سے ہڈیاں بنادیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنادیا۔ پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین خالق ہے۔

مندرجہ بالا آیات کے مطابق انسان کے مراحل تخلیق یہ ہیں:

۱۔ تراب (مِّنْ تُرَابٍ)
۲۔ نطفہ امشاج (مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ)
۳۔ لوتھڑا (مِنْ عَلَقَةٍ)
۴۔ بوٹی (مِنْ مُّضْغَةٍ)
۵۔ ہڈی (فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا)
۶۔ گوشت (فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا)
۷۔ خلق آخر (ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ)

مضغۂ مخلقۃ: مفسرین، مترجمین نے مُّخَلَّقَةٍ کا ترجمہ پوری اور غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ کا ترجمہ ادھوری کیا ہے جو بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ مُّخَلَّقَةٍ اور غَیْرِ مُّخَلَّقَةٍ اس مُّضْغَةٍ کی صفت ہے جس سے انسان خلق ہو رہا ہے۔ ادھوری سے تو خلق نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ جدید نظریات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مُضْغَة کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ ایک تو بچے کی تخلیق اور دوسرے اس کی حفاظت۔ مضغہ مخلقۃ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بچے کے اعضاء بنائے، جب کہ مضغہ غیر مخلقۃ کا کام یہ ہے کہ وہ اسے اپنے حفظ وامان میں رکھے اور اس کے لیے غذا کا انتظام کرے۔ چنانچہ ظلماتِ ثلاث میں بند اس نازک مخلوق کے لیے شش جہت سے غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔

مُضْغَة کے وسط میں ایک خاص شے ہوتی ہے جس نے آئندہ دماغ اور حرام مغز بننا ہوتا ہے اور اس کے پہلو میں چند قطعے ہوتے ہیں جن سے ریڑھ کی ہڈی تشکیل پاتی ہے۔ پھر پورے جسم کی ہڈیاں بنتی ہیں پھر ان پر گوشت کا لبادہ چڑھایا جاتا ہے۔ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْـمًا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔

نتائج بحث

مذکورہ بالا ابحاث سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید ایک ابدی معجزہ ہے اس کا تعلق محض کسی خاص زمان یا مکان تک نہیں ہے بلکہ رہتی دنیا تک یہ قابل ہدایت ہے۔

۲۔ قرآن مجید کی حقانیت و صداقت اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ ہر دور کے اہل فکر کو غور اور تدبر کی طرف راغب کرتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی حقانیت و صداقت اس سے بھی ثابت ہے کہ جس دور میں یہ نازل ہوا تب ایسے آلات اور ٹیکنالوجی موجود نہیں تھی جو آج کے انسان کو دستیاب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی ان حقائق کو واضح کیا جنہیں آج کا سائنسدان منکشف کر رہا ہے۔

۴۔ سائنس کا کوئی بھی نظریہ حتمی نہیں ہوتا بلکہ آنے والے کسی تجربے سے وہ ختم ہو سکتا ہے لیکن قرآن کا اس حوالے سے نکتہ نظر حتمی ہوتا ہے۔

۵۔ سائنس کی مزید ترقی اور کائنات کے پوشیدہ رازوں تک رسائی قرآن مجید کی شرح و تفسیر میں مزید اضافہ کرتی جائے گی۔ اور اہل عقل و شعور کے لیے باعث ہدایت ہو گا۔

سفارشات

اس موضوع کے حوالے سے درج ذیل سفارشات قابلِ غور ہیں:

۱۔ قرآن کریم کی ہدایت کا محور محض فرد نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر انسانیت کی فلاح مقصود ہے۔ اس لیے قرآن مجید کی جامعیت کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ سائنس کی مادی ترقی سے مرعوب نوجوانوں کو قرآن کا اس مطالعہ کروایا جائے کہ ان پر قرآن میں بیان کردہ سائنسی حقائق واضح ہو جائیں۔

۳۔ تعلیمی اداروں میں قرآن اور سائنس کے عنوان سے نصاب کو پڑھایا جائے۔

۴۔ ملکی سطح پر قرآن فہمی کے لیے جامع انتظامات کیے جائیں، سیمینارز اور کانفرنسز کے ذریعہ بھی قرآن مجید کے اس پہلو کو اجاگر کیا جائے۔

۵۔ قرآن مجید کی تفسیر موضوعی پر توجہ کی جائے تاکہ نوجوان نسل قرآنی مطالب کو سمجھنے میں آسانی محسوس کرے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] لسان العرب، محمد بن مکرم ابن منظور، دار صادر، بیروت، لبنان، طبع اول، ۳۶۹/۵

[2] معجم الوسیط، تالیف مجمع اللغۃ العربیۃ، دار العربی، دمشق، طبع اول، ۵۸۵/۲

[3] سورۃ سبا: ۵/۳۴

[4] لسان العرب، ۳۶۹/۵

[5] الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی، دار التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۳۶۸/۱

[6] مناھل العرفان، محمد عبد العظیم زرقانی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء، طبع اول، ۶۶/۱

[7] الشفاء، قاضی عیاض، دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع اول، ۳۴۹/۱

[8] لباب التاویل فی معانی التنزیل، علی بن محمد الخازن، دار صادر، بیروت، ۴/۳۷

[9] البیان فی تفسیر القرآن، سید ابو القاسم خوئی، منشورات انوار الھدیٰ، تہران، طبع اول، ص: ۱۷/۱

[10] سورۃ لقمان: ۲۰/۳۱

[11] سورۃ الانعام: ۱۰۹/۶

[12] فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار المعرفۃ، بیروت، ۵۸۱/۶، ۵۸۲

[13] سورۃ الاعراف: ۱۰۴/۷

[14] ایضاً، ۱۰۶/۷

[15] سورۃ البقرۃ: ۲۵۶/۲

[16] سورۃ الغاشیۃ: ۲۲/۸۸

[17] سورۃ الطور: ۳۴/۵۲

[18] سورۃ ھود: ۱۳/۱۱

[19] سورۃ یونس: ۳۸/۱۰

[20] ملاحظہ ہو: سورۃ الاسراء: ۸۸/۱۷

[21] مباحث فی عجاز القرآن، مصطفی مسلم، دار المسلم، ریاض، ۱۴۱۶ھ، طبع اول، ص: ۱۲۵

[22] ایضاً

[23] البیان فی تفسیر القرآن، ص: ۹۵/۱

[24] سورۃ النساء: ۸۲/۴

[25]سورۃ یونس: ۱۰/۱۶

[26]سورۃ عنکبوت: ۲۹/۲۰

[27]سورۃ حج: ۲۲/۴۶

[28]سورۃ الانعام: ۶/۵۹

[29]سورۃ الذاریات: ۵۱/۲۰

[30]سورۃ النازعات: ۷۸/۲۷تا۳۱

[31]سورۃ حم سجدہ: ۴۱/۹۔۱۰

[32]سورۃ النازعات: ۷۹/۳۰

[33] تاج العروس، ۱/۸۳۸۰

[34]المنجد، ص: ۲۳۴

[35]سورۃ طہ: ۲۰/۵۳

[36]سورۃ فاطر: ۳۵/۴۱

[37]نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۸۴ ص: ۴۹۷

[38]سورۃ المرسلات: ۷۷/۲۵۔۲۶

[39]تاج العروس، مرتضی زبیدی، دار التراث العربی، بیروت، ۱/۱۱۵۹

[40]سورۃ زلزلۃ: ۹۹/۴۔۵

[41]سورۃ زلزلہ: ۹۹/۷۔۸

[42]سورۃ زلزلہ: ۹۹/۶

[43]بلاغ القرآن، محسن علی، دار القرآن، اسلام آباد، ۱۴۳۶ھ، ص: ۹۰۸

[44]سورۃ کہف: ۱۸/۴۹

[45]سورۃ کہف: ۱۸/۴۹

[46]سورۃ ق: ۵۰/۲۲

[47]بلاغ القرآن، ص: ۹۰۹

[48]سورۃ البقرۃ: ۲/۲۵۹

[49]سورۃ رعد: ۱۳/۸

[50]See: Relativity For Million, Martin Gardener, NY: Macmillon, 1962, 1st Edition, p.89

[51]سورۃ الذاریات: ۴۹/۵۱

[52]سورۃ یاسین: ۳۶/۳۶

[53]سورۃ الاسراء: ۴۴/۱۷

[54]سورۃ النور: ۴۱/۲۴

[55]سورۃ ص: ۱۸/۳۸

[56]بلاغ القرآن، ص: ۹۱۲

[57] https://thequietbranches.com/2015/01/26/plant-senses/, Retrieved on 10-12-19

[58]سورۃ الانعام: ۱۲۵/۶

[59]سورۃ الشوریٰ: ۲۹/۴۲

[60] https://www.bbc.com/urdu/science/story/2004/05/040529_universe_size_am.shtml, Retrieved on 11-12-19

[61] Scientific Theories, W. A Maxwell, NY: 2003, P.128

[62]سورۃ الذاریات: ۴۷

[63]کلیات اقبال (بال جبریل)، علامہ محمد اقبال، الفیصل ناشران، لاہور، ص: ۳۸۸

[64] Man and Space, Arthur C Clark, New York: 1964, P. 187

[65]سورۃ الحجر: ۱۴/۱۵۔۱۵

[66]سورۃ انسان: ۲/۷۶

[67]سورۃ حج: ۵/۲۲

[68]سورۃ المؤمنون: ۱۴/۲۳

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

امت مسلمہ کی دعوتی ذمہ داریاں تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں

Invitational responsibilities of the Muslim Ummah in the light of Tafsir Zia-ul-Quran

نور حسین
پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

The propagation of Islam depends on preaching and preaching only-Therefore, Allah Almighty Himself taught Holy Prophet (SAW) the etiquette of Islamic Da'wah.After the demise of the Messenger of Allah the responsibility of da'wah and preaching is now the responsibility of the Muslim Ummah till the Day of Judgment.Per Muhammad Karam Shah Al-Azhari has a prominent position as a renowned and serious scholar. They are respected in all School of thoughts.Pir Karam Shah Al-Azhari dedicated his life to Da'wah of Islam.Like a true da'i, he have adopted all the methods that are the obligatory syllabus of the da'i of Islam.His Tafsir Zia-ul-Quran has a special place in terms of its characteristics.Among other features of Tafsir Zia-ul-Quran, the most important feature is the da'wah discussions and articles-If the Muslim Ummah keep in mind the writing style of Tafsir Zia-ul-Quran, then surely they can do the work of Da'wah more effectively.

In the following article, Invitational responsibilities of the Muslim Ummah in the light of Tafsir Zia-ul-Quran will be highlighted.

Keywords: Invitational responsibilities,Muslim Ummah, Tafsir Zia-ul-Quran

نسل انسانی کو راہ حق پر گامزن رکھنے اور ہر طرح کی گمراہیوں سے محفوظ رکھنے کیلئے دعوتِ دین ہی مؤثر ذریعہ ہے، انبیاء کرام اور رسل عظام کی بعثت کا مقصد وحید لوگوں کو راہ ہدایت پر گامزن کرنا تھا جب انسانی شعور نقطہ ارتقاء کو پہنچ گیا تو اللہ تعالی نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم المرسلین کی حیثیت سے مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کا زمانہ رسالت قیامت تک ہے اور آپ کا دائرہ رسالت تمام انسانیت کو محیط ہے آپ کا دین مکمل ہو گیا ہے، یہ دین تمام انسانیت اور رہتی دنیا کے لیے ہے آپ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اس وجہ سے آپ پر نبوت ورسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے لہذا امت محمدیہ کار نبوت کی امین ہے، دین اسلام کی ترویج واشاعت کرنے مختلف اسالیب سے اسے آگے بڑھانے اور ہر سطح پر اسے غالب کر دینے کا نام دعوت اسلام ہے۔

موضوع کا تعارف

قرآن مجید میں انسانیت کی دنیاوی اور اخروی فلاح ونجات کے متعلق تعلیمات بیان ہوئی ہیں۔ قرآن حکیم میں انفرادی واجتماعی سطح پر دعوتِ دینے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بارے میں واضح تعلیمات موجود ہیں، اسی

طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتی واصلاحی خدمات بھی بیان ہوئی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے آپ کا دائرہ رسالت تمام انسانیت تک پھیلا ہوا ہے اور تا قیامت آپ کا دورِ رسالت ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ پر دین مکمل کر دیا، آپ ﷺ نے انفرادی، اجتماعی اور عالمی سطح پر اسلام کو غالب فرمایا۔ قرآنِ مجید آپ ﷺ کے دین کی اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا اس کی تعلیمات سے آگاہ ہونے کے لیے دعوت کا عمل ضروری ہے تفسیر ضیاء القرآن میں امت کو دعوت کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اس لیے اس تفسیر کی روشنی میں امت کی دعوتی ذمہ داریوں کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

موضوع کی ضرورت

ا۔ ہر دور میں ضرورت

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری الہامی کتابِ ہدایت ہے، یہ کتاب حکمت بھی ہے، اس کی تعلیمات انسانیت کی راہنمائی، ہدایت اور فلاح واصلاح پر مشتمل ہیں، جن کو اپنا کر ہی انسانیت کی نجات ممکن ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہماری ہدایت کے لیے حضور ﷺ کو قرآن مجید کے ساتھ مبعوث فرمایا جو تا قیامت راہِ حق کی راہنمائی کرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت جو کہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی صورت میں ایمان والوں کے پاس محفوظ ہے اس کی تفہیم کے لئے ایک جماعت مفسرین قرآن کے نام سے تاریخ اسلام میں موجود رہی ہے، جس نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرتے ہوئے مسلمانوں کو قرآن مجید کے صحیح اور حقیقی فہم سے روشناس کرایا اور آج بھی یہ سلسلہ پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔ قرآن حکیم کا ایک اہم موضوع اسلوب دعوت ہے۔ یہ کتاب لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف دعوت دیتی ہے اس لئے اس کا دعوتی پہلو انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور اساسی درجہ رکھتا ہے امت دعوت وارشاد کے ذریعے ہی اس دین کا فہم حاصل کر سکتی ہے۔

۲۔ موضوع کی عصرِ حاضر میں ضرورت

اس وقت عالم کفر ہر محاذ پر اسلام کے خلاف بر سر پیکار ہے، اسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے اس لیے اس کے اصول پر کشش ہیں اگر اس دین کا صحیح تشخص واضح کر دیا جائے تو لوگ بڑی تیزی کے ساتھ اسے قبول کر لیں گے اور یہ دین پوری دنیا میں غالب آجائے گا اس لیے اسلام دشمن قوتیں مختلف حربوں سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا میں مصروف ہیں اور بالخصوص سوشل میڈیا کے ذریعے اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، کبھی ذات رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں تنقیص کی جاتی ہے تو کبھی قرآن مجید کی توہین کی ناپاک جسارت، ایسی تمام مساعی مذمومہ کا مقصد لوگوں کو دینِ اسلام سے دور کرنا ہے لہذا ان حالات میں امت پر یہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ دعوت کے فرضِ منصبی کو کما حقہ انجام دے۔ عصر حاضر میں تفسیر ضیاء القرآن ایک جامع تفسیر ہے جس کے مصنف جسٹس پری محمد کرم شاہ الازہریؒ نے قرآن مجید کی تعلیمات کو نہایت عمدہ، جامع اور سلیس انداز میں بیان فرمایا ہے۔ تفسیر میں آپ نے دعوت واصلاح سے متعلق قرآن مجید کی آیات بینات کی

نہایت جامع تفسیر فرمائی ہے۔ دعوت و تبلیغ انتہائی اہم ذمہ داری ہے اور سنتِ انبیاء ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ان میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو اس ذمہ داری کو انجام دیتی رہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1]

"ضرور ہونی چاہیئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں"

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر ضیاء القرآن میں متعدد مقامات پر دعوتِ دین کی فی زمانہ اہمیت کو نہایت جامعیت کے ساتھ زینتِ قرطاس کیا ہے، یہاں ایک اقتباس اسی حوالہ سے قلمبند کیا جارہا ہے جس کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ دعوتِ دین کس قدر اہمیت کا حامل کارِ عظیم ہے۔

"یہ دین قیم جس نے عالم بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ و اشاعت ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس پیغام رحمت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالمگیر پیغام ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا اور یہ اس پیغام سے بھی ناانصافی ہو گی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہو گا جو گھب اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لیے ترس رہی ہے۔ نیز وہ قوم اور ملک جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اس کے آئینہ دل پر بھی غفلت کی گرد پڑ سکتی ہے اور ان کی گرمی عمل بھی سستی کا شکار ہو سکتی ہے۔ ارد گرد کے گمراہ کن تاثرات سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا انکی گرمی عمل کو باقی رکھنا اور خارجی و اجنبی تاثرات و تحریکات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمرہیاں خود اس قوم میں راہ پا سکتی ہیں جو اس دین کی علمبردار ہے۔ یہ دونوں کام یعنی ملت اسلامی کو شاہراہ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک یہ پیغام رشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور پیچیدہ ہیں۔ اس لیے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملت کا اجتماعی ذمہ داری ہے جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن سیرت و کردار رسول اسلام ﷺ کا مظہر کامل ہو، ان میں علوم اسلامیہ مہارت تامہ کے ساتھ سیرت کی پاکیزگی کردار کی پختگی اور ظاہر و باطن کی یکسانی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اسے کے لیے جس بڑی سے بڑی قربانی، ایمانی فراست، قلبی بصیرت اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے وہ پوری ہونی چاہیے۔ اگر ملت اسلامیہ اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے گی تو وہ اللہ کی جناب میں اپنی اس کوتاہی کے لیے جوابدہ ہو گی۔ تاریخ شاہد ہے جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلش اسلام میں فصل بہار رہی"[2]

دعوت کا مفہوم

انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالی کی بندگی ہے اور بندگی صرف چند عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں اللہ تعالی کے احکام کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کا نام ہے۔اللہ تعالی کے احکام اس کے بندوں تک انبیاء کرام اور رسل عظام کے ذریعے پہنچے،اللہ تعالی نے اپنے احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے انبیاءورسل کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرما کر حضرت محمد ﷺ پر مکمل فرمایا۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل انبیاء رسل خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے لیکن آپ ﷺ کو تمام انسانیت کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

ارشاد باری تعالی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا [3]

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانون کی طرف بشیر ونذیر بنا کر"

آپ ﷺ پر رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا،اب قیامت تک آپ ﷺ کا زمانہ نبوت ورسالت ہے اس لئے آپ ﷺ کی امت پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ عمل دعوت کو انجام دے،یعنی لوگوں کو دینِ اسلام کی روشن تعلیمات سے روشناس کرائے۔

دعوت کا لغوی مفہوم

"الدعوۃ" دعا یدعو کا مصدر ہے،دعوت کے لغوی معنٰی پکارنے، مدد طلب کرنے اور دعا کرنے کے ہیں۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الدعاء الی الشئ الحث علی قصدہ [4]

"کسی چیز کے حصول پر برانگیختہ اور مائل کرنا دعوت یا دعا کہلاتا ہے"

دعوت کا اصطلاحی مفہوم

اہل علم نے دعوت کے متعدد اصطلاحی مفاہیم بیان کئے ہیں۔اس مقام پر ان کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ دعوت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"الدعوۃ الی اللہ ھی الدعوۃ الی الایمان و بما جا ءت بہ رسلہ" [5]

"اللہ کی طرف دعوت ایمان کی طرف دعوت ہے اور جو شریعت اللہ کے رسول اپنے ساتھ لائے،اس کی طرف دعوت ہے"

ڈاکٹر محمد ابوالفتح دعوت کا اصطلاحی مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں

الدعوۃ الی الاسلام طلب الناس و سوقھم الیہ وحثھم علی الاخذبہ [6]

"اسلام کی طرف دعوت دینے کا مطلب ہے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا جائے اور اسلام پر عمل کرنے کے لئے انہیں ابھارا جائے"

شیخ علی محفوظ دعوت کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

"حث الناس على الخير والهدى والا مربا المعروف والنهى عن المنكر ليفوزوا بسعادة العاجل والاجل"[7]

"دعوت سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو بھلائی اور ہدایت کی طرف رغبت دلائی جائے اور نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے تاکہ وہ دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کر سکیں"

ہماری دانست میں دعوت کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے

غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنا اور انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دینا مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا اور انہیں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اسلام کے احکامات سے آگاہ کرنا نیکی کی ترغیب دلانا اور برائی سے روکنا دعوت کہلاتا ہے۔

دعوت کی ضرورت واہمیت تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں

امت محمدیہ کو دعوت دین کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے، حضور ﷺ کا دور نبوت قیامت تک ہے لہذا قیامت تک حضور ﷺ کی امت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہذا آپ ﷺ کی امت پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ اس فریضہ کا انجام دیا جائے، قرآن مجید فرقان حمید میں جو آیات مقدسہ ہمیں دعوت دین کی اہمیت کا احساس دلاتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کی تین سطحیں ہیں، انفرادی سطح، اجتمائی سطح اور حکومتی سطح، لہٰذا اہمیت دعوت تین مباحث پر تقسیم کیا گیا ہے۔

انفرادی سطح پر دعوت کی ضرورت واہمیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ[8]

"نیز مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں بُرائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی"

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں اسی حقیقی فرق اور عظیم انقلاب کی کیفیت بیان کی جارہی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انسان میں رونما ہوتا ہے، فرمایا جو خوش نصیب مرد اور عورتیں میرے حبیب ﷺ کی دعوت قبول کرتی ہیں، ان میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوتا ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو بدل کے رکھ دیتا ہے، وہ نیکی کے فروغ کے لئے اپنے سارے وسائل وقف کر دیتے ہیں، اپنی راحت وآرام کو قربان کر دیتے ہیں اور ضرورت پڑے تو نیکی کا پرچم بلند رکھنے کے لئے وہ اپنی جان بھی خوشی، خوشی نثار

کر دیتے ہیں، اور ان کا وجود باطل کے لئے ایک چیلنج ہوتا ہے، وہ باطل اور برائی کی سروری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور جہاں تک ان کا بس چلتا ہے اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں دریغ نہیں کرتے، یہ لوگ نماز ادا کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں"[9]

اہل ایمان کے ایمان سے ان کی ظاہر و باطن میں ایک انقلاب رونما ہوتا ہے اہل ایمان نیکی کے فروغ کے لئے جملہ وسائل بروئے کار لاتے ہیں، فریضہ دعوت انجام دینے کے لئے راحت وآرام قربان کر دیتے ہیں یعنی ہر طرح کی مشکلات اور تکالیف کو برداشت کرتے ہیں، اور دعوت حق دیتے ہوئے ہر طرح کی قربانی کے لئے مستعد رہتے ہیں حتیٰ کہ متاع عزیز جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے، باطل سے سورہ بازی نہیں کرتے حتیٰ المقدور باطل کا قلع قمع کرنے سے سے دریغ نہیں کرتے یہ لوگ خود بھی دین اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا اپنا مقصد زیست بنا لیتے ہیں، نہ صرف دوسروں کو دعوت دیتے ہیں بلکہ خود بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرتے ہیں، یہ ہی داعیان حق کی شان ہے۔ ہر شخص دائرہ اختیار کے مطابق دعوت کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے، گھر کا سربراہ اپنے اہل و عیال کو دعوت کا ذمہ ٹھہرایا گیا ہے، جو شخص کسی ادار کا سربراہ ہے تو اسے اپنے ماتحت افراد کو دعوت کا مکلف بنایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ[10]

"اے ایمان والو! تم بچاو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے"

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اہل ایمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچائیں لیکن ان کی ذمہ داری اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی دوزخ کے عذاب سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ان پر لازم ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ "نقی انفسنا فکیف لنا باھلینا" اے اللہ کے رسول ﷺ اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا مفہوم سمجھ میں آگیا، ہم اپنے اہل و عیال کو کیونکر دوزخ سے بچا سکتے ہیں، "فقال تنھونھم عما نھکم اللہ تامرونھم بما امر اللہ" فرمای تم اس طرح ان کو بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل و عیال کو بھی ان سے روکو اور جن کاموں کو بجالانے کا حکم دیا ہے، انہیں حکم دو کہ وہ بھی بجالائیں"[11]

امت محمدیہ کا ہر فرد انفرادی سطح پر دعوت کو ذمہ دار قرار پاتا ہے، اگر کما حقہ اس ذمہ داری کو نبھایا جائے تو معاشرہ بہت سی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ اس آیت میں صراحت کے ساتھ انفرادی دعوت کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ والد پر لازم ہے کہ

اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت دینی نہج پر کرے، اگر اس دعوتی ذمہ داری کو کماحقہ ادا کیا جائے تو ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اس لئے کہ معاشرہ کی بنیاد گھر سے ہوتی ہے۔ پیر صاحب اسی آیت کی تفسیر میں آگے چل کر انفرادی دعوت کی اہمیت کو انتہائی احسن انداز بیان فرماتے ہیں۔

"دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہو جانا چاہیے اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تادم واپسیں یاد رہتا ہے، جس کام کی عادت بچپن سے پڑ جاتی ہے وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعت خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عموماً راہ حق سے بھٹک جایا کرتی ہے"[12]

اولاد کی تربیت کا وقت ان کے بچپن کی عمر ہے اس لئے کہ سیرت کے سنورنے اور بگڑنے کی یہی عمر ہے جو والد اس وقت اپنے اس فرض سے غفلت برتتا ہے وہ اپنی اولاد کو بگاڑنے کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے اور جو والد اس وقت اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرتا ہے ایسی اولاد تاحیات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مطیع و فرماں بردار بن جاتی ہے

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ انفرادی دعوت کی اہمیت کا مزید احساس دلاتے ہوئے اسی آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں

"کاش ہم اس فرمان خداوندی اور ارشادات نبوی کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں تو ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں سے بے راہ روی اور آوارہ گردی کا شکوہ نہ رہے"[13]

جو والدین اپنی اس دعوتی ذمہ داری کو نبھاتے ہیں انکی اولاد بے راہ روی اور آوارگی سے بچ جاتی ہے اور ان کی اولاد اس تربیت کے نتیجے میں اپنے حقوق و فرائض کو سمجھ کر عمل پیرا ہو گی تو یقیناً والدین ان کے طرز زندگی سے مطمئن ہوں گے۔ انفرادی سطح پر دعوت دین کو فراموش کرنے کے نقصانات کے اثرات پورے معاشرے پر پڑتے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"آج جب سینما اور ٹی وی کے مخرب اخلاق پروگرام رہی سہی کسر بھی نکال دینے کے درپے ہیں، اسی وجہ سے ماں باپ کی ذمہ داریاں دوچند ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں اور اس سے بھی اہم یہ کے اپنے حُسن عمل اور اچھے نمونہ سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کریں اگر ہماری بے حسی کے باعث لادینی بپھری ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا مورچہ بھی سر کر لیا تو پھر آنے والے نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے"14 اسلامی معاشرہ کی تشکیل کا آغاز گھر سے ہوتا ہے لادینی قوتوں کی یلغار کا رخ ہمارے گھر میں ہماری نسلوں کو تباہ کرنا ہے لہٰذا ہمیں انفرادی دعوت کی اہمیت سمجھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

ایک دوسرے کی حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرنا

انفرادی دعوت کی اہمیت کو سورۃ العصر کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ الْعَصْرِۙ(۱)اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍۙ(۲)اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ﳔ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

"قسم ہے زمانہ کی۔یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے"

اس سورۃ مبارکہ میں ایمان، عمل صالح، ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہنے کو نقصان سے بچنے کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ صدقِ دل سے اپنے رب کریم پر ایمان لے آئیں نیز ان کے پروردگار نے ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جس نبی ﷺ کع مبعوث فرمایا ہے اس کی تصدیق کریں اور اس کے نبی ﷺ نے جو نظام حیات پیش کیا اس کو تہ دل سے قبول کریں دوسری صفت یہ ہے کہ اپنی زبان سے جس قلبی ایقان کا انہوں نے اظہار کیا ہے، میدان عمل میں اُٹھنے والا ہر قدم اس کی تصدیق کرے جہاں تک ان کی انفرادی کامیابی کا تعلق ہے وہ تو ان دو صفتوں کے پائے جانے سے حاصل ہو گئی لیکن اسے چراغ کون کہے گا جو اپنے ماحول کی تاریکیوں کو مٹا کر نہ رکھ دے، وہ دریا ہی کیا ہوا جو صحراؤں اور چٹیل میدانوں کی سیراب کر کے رشک فردوس نہ بنادے اس لئے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالادستی قائم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بارآور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کی محنت سے حق کو قبول کرنے والے اس کی راہ کی صعوبتوں کو جوانمردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کرلیں، یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دورے کو صبر واستقامت کا درس دیتے رہیں، مصائب والام میں خود استقامت کا مظاہرہ کر کے دوسروں کے لیے دلکش نمونہ پیش کرتے رہیں، یہ صبر کامیابی کی اہم اور چوتھی شرط ہے"[15] اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو بھی نور ہدایت سے منور کریں اوا پنے حلقہ اثر میں حق کو غالب کریں، حق کی ترویج کریں اور دعوت حق کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں سے گھبرائیں نہیں بلکہ ثابت قدمی سے اس فریضہ کو نبھاتے رہیں اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔

اجتماعی سطح پر دعوت کی ضرورت واہمیت

دعوت کی ایک صورت اس کی اجتماعی سطح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ[۱۶]

"اور اسی طرح ہم نے بنادیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر"

اللہ جل مجدہ نے یہ حکم مسلمانوں کو اجتماعی حیثیت سے دیا ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"امت محمدیہ گواہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا میں اس کی گواہی اسلام کی صداقت پر ہے، کیونکہ اسلامی تعلیمات کی وہ زندہ تصویر ہے، دنیا میں اس کا ہر قول ہر فعل اس کی انفرادی اور اجتماعی خوشحالی، اس کی سیرت کی پختگی اور اس کے اخلاق کی بلندی ہر چیز اسلام کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے اور قیامت کے روز جب اگلے پیغمبروں کی امتیں اللہ تعالیٰ کے حضور پر عرض کریں گے کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغام ہدایت نہیں پہنچایا تو اس وقت امت مصطفیٰ ﷺ گواہی دے گی کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، تیرے پیغمبروں نے تو تیرا پیغام حرف بحرف پہنچا دیا تھا"[17]

حضور ﷺ کی امت اسلام کی صداقت پر گواہ ہے اس آیت کی روشنی میں حضور ﷺ کی پوری امت من حیث الجماعت آپ ﷺ کی تعلیمات کی امین ہے اس نے اپنے قول و عمل سے اسلام کی تعلیمات کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنا ہے حضور ﷺ کی امت دنیا میں بایں معنیٰ گواہ ہے۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر امت محمدیہ کو من حیث الجماعۃ دعوت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ[18]

"ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لئے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو بُرائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر"

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان[19]

"جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اُسے چاہیے کہ اُسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اُسے اپنے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"

دعوت اس قدر ضروری ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو پورا معاشرہ گمراہی کی لپیٹ میں آجائے گا اور اس طرح عذابِ الٰہی ایسے معاشرے کا مقدر بن جاتا ہے اور دعوت کا عمل انجام نہ دینے پر نیک لوگ بھی اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: من سئل عن علم فکتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من نار[20] جس شخص سے کسی نے علم کے متعلق کچھ پوچھا اور اُس نے اُسے چھپا لیا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"رسول اکرم ﷺ کی امت کو خیر الامم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا جارہا ہے کہ جتنی بھی امتیں آج تک صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے تم بہتر ہو کیونکہ تمہاری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ، بہت بلند ہے، تم اس لئے زندہ ہو اور اس لئے کوشاں ہو کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی روشنی پھیلے، گمراہی کی ظلمت کافور ہو، باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاق حسنہ کو فوقیت حاصل ہو، وہ حیوانی رسم ورواج جنہوں نے طاقتور کو ظالم اور چیرہ دست اور کمزور کو مظلوم اور فاقہ مست بنا رکھا ہے مٹ جائیں اور اس کے ساتھ، ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر تم خود بھی ایمان لا چکے ہو اور دوسروں کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہو"[21]

پیر صاحب امت محمدیہ کی شانِ دعوت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں

"اگرچہ پہلی امتیں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ سے مشرف تھیں لیکن جو شان تمہارے امر بالمعروف کی ہے اور جو جلال تمہارے نہی عن المنکر میں ہے اور جو گہرائی اور کمال تمہارے ایمان باللہ میں ہے وہ تم سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوا نیز جس ہمت، خلوص اور سرفروشی سے تم نے اس بارِ امانت کو اٹھایا ہے یوں اج تک کوئی نہ اُٹھا سکا، اس لئے تم اس کے جائز مستحق ہو کہ اقوام عالم کی بھری محفل میں تمہارے سر پر فضیلت کا تاج رکھا جائے اس کے علاوہ حضور ﷺ کی امت کے خیر الامم ہونے کی ایک وروجہ یہ بھی ہے جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی دوسری قوموں کے فیضان ہدایت سے ایک محدود علاقہ، ایک مخصوص قوم، وہ بھی ایک مقررہ وقت تک مستفیض ہو سکتی تھی لیکن تمہارا ابر کرم بحر و بر، نشیب و فراز، سیاہ و سفید نزدیک و دور ہر خطہ پر برسے گا اور ہر خطہ کے پیاسوں کی پیاس بجھائے گا، تمہاری برکتیں صرف اپنے لئے اور اپنوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہیں اور یہ وہ شرف ہے جو پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا ی وہ جود و سخا ہے جس سے پہلے دنیا متعارف نہیں "اخرجت للناس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے"۔[22]

سورۃ آل عمران میں ایک اور مقام پر اجتماعی سطح پر دعوت کی ضرورت واہمیت کو اس طرح اجاگر کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[23]

"ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں"

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"یہ دین قیم جس نے عالم بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ واشاعت ایک اہم ترین ذمہ داری ہے، اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس کے پیغام رحمت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ

عالمگیر پیغام ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا"[24] امت نے اس فریضہ کو فراموش کر دیا تو دین کا دائرہ سکڑ جائے گا حالانکہ یہ دین آفاقی ہے اس کی ہدایت و تعلیمات تمام انسانیت کے لئے ہیں اس لیے تمام اقوام تک اس کی تعلیمات کو عام کرنا امت کا فریضہ ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اسی آیت کی تفسیر میں مزید رقمطراز ہیں

"اور یہ اس پیغام سے بھی ناانصافی ہو گی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہو گا جو گھپ اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں، جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لئے ترس رہی ہے نیز وہ قوم اور ملک جس نے دین کو قبول کر لیا ہے اس کے آئینہ دل پر بھی غفلت کر گرد پڑ سکتی ہے ان کی گرمئ عمل بھی سستی کا شکار ہو سکتی ہے، ارد گرد کے گمراہ کن تاثرات سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو غفلت سے بیدار کرنا، ان کی گرمئ عمل کو باقی رکھنا اور خارجی اور اجنبی تاثرات و تحریکات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمراہیاں کود اس قوم میں راہ پا سکتی ہیں جو اس دین کی علم بردار ہے"[25]

اقوام عالم تک دین کا پیغام پہنچانے اور امت مسلمہ کو ہدایت پر ثابت قدم رکھنے اور گمراہی سے بچانے کا ذریعہ اجتماعی دعوت ہے۔ اس وقت مادی اعتبار سے دنیا بہت آگے جا چکی ہے، لیکن دینِ اسلام کی ترویج و تبلیغ کا فریضہ کما حقہ انجام نہیں دیا جا رہا اگر ہم اس فریضہ کو اجتماعی ذمہ داری سمجھ کر انجام دیں تو یقیناً اسلام بڑی تیزی کے ساتھ پھیل سکتا ہے۔

پیر صاحب اجتماعی دعوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

"یہ دونوں کام یعنی ملت اسلامیہ کو شاہراہ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک پیغام رشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور" پیچیدہ ہیں اس لئے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے جس کا علم و عمل ظاہر و باطن سیرت و کردار رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مظہر کامل ہو، ان میں علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی اور ظاہر و باطن کی یکسانی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں اس لیے جس بڑی سے بڑی قربانی ایمان فراست، قلبی بصیرت اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے وہ پوری ہونی چاہیے، اگر ملت اپنے اس اہم فریضہ کو ادا نہ کرے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی کوتاہی کے لئے جواب دہ ہو گی۔[26]

غیر مسلموں کو دعوت دینا اور مسلمانوں کو شاہراہ اسلام پر ثابت قدم رکھنا بہت مشکل کام ہے لہٰذا اس ذمہ داری کو کما حقہ انجام دینا امت مسلمہ کا اجتماعی ذمہ داری ہے، اس لئے پوری ملت اسلامیہ کو چاہیے کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ایسے افراد تیار کئے جائیں جو پیکر علم و عمل ہوں، جن کا عمل حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہو جو صاحب بصیرت ہوں، صاحب تقویٰ ہوں جن کا باطن ظاہر کی طرح صاف ہو، صاحب روحانیت ہوں، جب تک ملتِ

اسلامیہ ایسے افراد تیار کرتی رہی، فصل اسلام میں بہار ہی۔ قرآن مجید اور تفاسیر سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ دعوتِ دین کی اجتماعی ذمہ داری ادا کئے بغیر دعوت و تبلیغ کا عمل کماحقہ انجام نہیں دیا جا سکتا۔

دعوت کی اجتماعی سطح پر اہمیت کا علم اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جو آپ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں مذکور ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

فلیبلغ الشاھد الغائب [27]

"پس جو موجود ہے وہ غائب تک پہنچادے"

اسلام پوری کائنات کا دین ہے ختم نبوت کے بعد اسے پوری دنیا تک پہنچانا امت محمدی کی ذمہ داری ہے امت محمدیہ نے جب تک اس ذمہ داری کماحقہ انجام دیا حق کو غلبہ نصیب ہوا اور باطل پسپا اور رسوا ہوا، لہٰذا غلبۂ دین حق کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ امت مسلمہ اجتماعی سطح پر دعوتِ دین کی ذمہ داری نبھائے۔

حکومتی سطح پر دعوت کی ضرورت واہمیت

اسلام میں دعوت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر بھی ڈالی گئی ہے، اگر اسلامی حکومت اس ذمہ داری کو کماحقہ انجام دے تو بلاشبہ اسلام کی ترویج واشاعت مضبوط بنیادوں پر ہو سکتی ہے اور اس کے ثمرات و برکات دور رس ہو سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ [28]

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں بخشیں زمیں میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے اور اللہ تعالیٰ لے لئے ہے سارے کاموں کا انجام"

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔

جب یہ مسندِ حکومت پر بیٹھتے ہیں تو اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے جب ملک کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں تو ان خزانوں کو اپنی ذاتی آرائش وآسائش اور عیش و عشرت میں صرف نہیں کرتے، ان کے اقتدار کے جھنڈے کے نیچے بدکاری اور فسق وفجور پروان نہیں چڑھتا بلکہ زما حکومت غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے، جہاں ان کے مبارک قدم پہنچتے ہیں وہاں نکی اور تقویٰ کے چمستان لہلہانے لگتے ہیں، غور فرمایئے اسلامی حکومت کی برکات کا کتنا واضح اور حسین بیانیے اسلامی رہنماؤں کے فرائض کی کیسی جامع فہرست ہے ایسے جامع واضح اور یمن و برکت سے لبریز دستور العمل کی موجودگی میں اگر ہمارے سربراہوں کو کسی نئے دستور کی تلاش ہو تو یہ انکی اپنی سمجھ کا قصور ہے، قرآن نازل کرنے والے نے بتانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ [29]

حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ ملکی خزانوں کو گناہ کے کاموں میں خرچ نہ کیا جائے بلکہ مستحقین کو ان سے فیضیاب کیا جائے، حکمران اپنے دائرہ اختیار واقتدار تک نیکیاور تقویٰ کو فروغ دیں اور اسلام کو ایک نظام حکومت کے طور پر نافذ کریں، قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دستور العمل کے ہوتے ہوئے اگر حکمران کسی اور دستور کی تلاش میں رہیں گے تو یہ ان کی غلطی ہو گی، لہذا حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کو پھیلائیں اور بُرائی کے راستے بند کریں ملتِ اسلامیہ کے حکمران اگر اس ذمہ داری کو کماحقہ نبھائیں تو یقیناً معاشرہ سدھر سکتا ہے۔

نتائج بحث

۱۔ امتِ محمدیہ پر دعوتِ دین لازم ہے جب تک امت یہ ذمہ داری پوری کرتی رہے گئی تو افضل الامم قرار پائے گئی اور اس ذمہ داری کو فراموش کرنے پر اپنی عظمت کو ضائع کر دے گی۔

۲۔ دعوتِ دین ہمہ وقتی عمل ہے لہذا کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہیں جو دین کا علم مکمل طور پر حاصل کریں اور دعوت کی ذمہ داری نبھائیں۔اس طرح دین کی کلی دعوت انجام دی جا سکے گی اور ایسی دعوت کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے اور دین آگے منتقل ہو گا اور لوگوں کو دین کا فہم کامل نصیب ہو گا اور ایسے داعیان ہی دین کی تعلیمات کماحقہ واضح کر سکیں گے۔

۳۔ انفرادی سطح پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ ہر شخص اپنے زیر اثر افراد کو احکام دین کے مطابق تعلیم دے یعنی ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اسلامی خطوط پر کریں۔اور شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا پابند بنائے اور ادارے کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے زیر اثر لوگوں کو اسلامی تعلیمات کا پابند بنائے۔

۴۔ دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے لہذا اس کی جامع تعلیمات سے امت کو دعوت کے ذریعے روشناس کرایا جائے۔ جزوی سطح کی دعوت نہ دی جائے کہ بعض نفل اور مستحب درجے کے اعمال کو کل دین سمجھ لیا جائے یا محض چند عبادات کو ہی مکمل دین سمجھا جانے لگے بلکہ زندگی کے جملہ شعبوں کے بارے میں اسلامی احکام کی امت کو تعلیم و تربیت دی جائے۔

۵۔ دعوت کا مسلکی اُسلوب نہیں ہونا چاہیے بعض داعیان اسلام قرآن وسنت کی ایسی توضیح و تشریح کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کسی خاص مسلک کی تائید یا مخالفت کے لئے نازل ہوا ہے اور حضور ﷺ کسی خاص مسلک کی تائید فرماتے تھے لہذا یہ ضروری ہے کہ لوگوں کو اسلام کی آفاقی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے اور مسلکی اختلافات کو بھلا دیا جائے۔

۶۔ دعوت کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے اس سے لوگوں کے دلوں میں دین کی بے قدری ہو گی اور داعی اسلام کما حقہ اسلام کا پیغام نہیں پہنچا سکے گا اور معاشرے کے صاحبِ ثروت لوگ داعی دین کو حقیر جانیں گے۔ نتیجۃ لوگ عمل سے اعراض برتنے لگیں گے۔

۷۔ دعوت دین کو ذاتی شہرت اور ناموری کا ذریعہ نہ بنایا جائے اس سے لوگ دین پر عمل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے اور قوم کا جذبہ عمل سست پڑ جاتا ہے۔

۸۔ روحانیت کے نام پر دین کو کاروبار نہ بنایا جائے ایسا کرنے سے دنیاداروں میں اور روحانیت کا نام لینے والوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ اور نہ ہی لوگوں کے قلوب میں روحانیت پیدا ہو گی۔

۹۔ دعوت دین حکومتی سطح پر مطلوب ہے اگر اس سطح پر یہ ذمہ داری نبھائی جائے تو عالمی سطح پر اسلام کا پیغام پہنچے گا۔ اور دنیا بڑی تیزی کے ساتھ اسلام قبول کرے گی۔

۱۰۔ دعوتِ دین اخلاصِ نیت سے دی جائے اگر داعی اپنی نیت میں اخلاص پیدا کرے گا تو وہ مخالفتوں کے باوجود اپنی ذمہ داری انجام دیتا رہے گا۔ اور ثابت قدمی سے وہ دعوت کے راستے پر گامزن رہے گا کوئی طاقت اسے یہ ذمہ داری نبھانے سے روک نہیں سکے گی۔

حواشی و حوالہ جات

1 ۔ سورۃ ال عمران، آیت ۱۰۴

2 ۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۵، ج ۱، ص ۲۶۱، ۲۶۰

3 ۔ سورۃ سباء، آیت ۲۸

4 ۔ المصری الافریقی، اعلامہ ابو الفصل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، ناشر دار صادر بیروت، ۱۹۵۶، ج ۱۴، ص ۲۵۸

5 ۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموعہ الفتاویٰ، بیروت دار الفک، ۱۴۰۲ھ، ج ۵، ص ۱۵۷

6 ۔ محمد ابو الفتح، المدخل الی علم الدعوۃ، دار صادر بیروت، ۱۴۱۸ھ، ص ۱۶

7 ۔ علی محفوظ، شیخ ہدایۃً المرشدین، دار اعتصام مصر، ۱۴۲۰ھ، ص ۴

8 ۔ سورۃ التوبہ، آیت ۷۱

9 ۔ ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۲۳۱، ۲۳۲

10 ۔ سورۃ التحریم، آیت ۶

11 ۔ ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۳۰۰

12 ۔ نفس مصدر، ج ۵، ص ۳۰۱

13 ۔ نفس مصدر، ج ۵، ص ۳۰۱

14 ۔ نفس مصدر، ج۵، ص۳۰۱
15 ۔ ضیاء القرآن، ج۵، ص۶۵۴
16 ۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳
17 ۔ ضیاء القرآن، ج۱، ص۱۰۱
18 ۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰
19 ۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر واجبان، رقم ۱۷۷
20 ۔ جامع ترمذی
21 ۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۶۳
22 ۔ ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۶۳، ۲۶۴
23 ۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۴
24 ۔ ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۶۰
25 ۔ ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۶۰
26 ۔ ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۶۰
27 ۔ بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع
28 ۔ سورۃ الحج، آیت ۴۱
29 ۔ ضیاء القرآن، ج۳، ص۲۲۱، ۲۲۰

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

تفسیری ادب کی روشنی میں یہود ونصاریٰ کے اختلافات: حقیقت و نوعیت

Essentiality and Nature of Discrepancy among Doctrinaire
(An Abstraction of Tafseeric Dissertation)

ڈاکٹر محمد سمیع اللہ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف مینجمنٹ، لاہور
فائقہ عمران
ایم فل سکالر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف مینجمنٹ، لاہور

Abstract

Christian and Jews are named as Doctrinaire by Holy Quran. Ostensibly they are Islam friendly adversaries but the facts are far yonder as they are the brinks that never get unite. They not only have dissensions in legal maxims but are also antagonistic in several other negotiations. Descriptive study method will be used to check an account for all the discords among apostles. The research study will end up highlighting the nature and essentiality of the cardinal discrepancies in the ablaze of various Tafseeric compositions.

Key words: Doctrinaire, Islam adversaries, legal dissensions, cardinal discrepancy

یہود ونصاری کا تعارف

تفسیر ابن کثیر میں یہود کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے

لفظ یہود ہوداۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ دوستی کے ہیں جیسے قرآن میں آیات ہیں (انا ھدنا الیك)

حضرت موسی علیہ السلام فرماتے ہیں ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں انہیں اس وجہ کی بنا پر ان کو یہود کہا گیا۔ یہودا حضرت یعقوب کے بڑے لڑکے کا نام تھا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ تورات پڑھتے وقت ہلتے تھے۔ اس بنا پر انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔[1]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے کہ:

عام طور پر اس سے مراد حضرت موسی کی شریعت کو ماننے والے لوگ ہیں، مگر چونکہ یہودی مذہب کی تعلیمات فقط اولاد یعقوب تک محدود رہی ہیں، اس لئے یہ لفظ ایک نسلی گروہ کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔[2]

احمد دیدات اپنی کتاب یہودیت، عیسائیت اور اسلام کیں لکھتے ہیں:

"عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے اسماعیل اور اسحاق۔ آگے اسحاق کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عیسو اور دوسرے چھوٹے کا نام یعقوب تھا۔ حضرت یعقوب ہی کا دوسرا نام اسرائیل (اللہ کا بندہ) تھا۔

حضرت یعقوبؑ کی نسل ہی بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے کا نام یہود تھا اور سب سے چھوٹے کا نام بنیامین تھا۔ ملک فلسطین کے ایک حصے کا نام یہود پر پڑ گیا۔ یہود کا خاندان خوب پھلا پھولا۔ لفظ یہود ا بنی اسرائیل ایک ہی نسل کے لئے استعمال ہونے لگے۔ بعد ازیں تمام اسرائیلی یہودی کہلانے لگے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔"[3]

رابرٹ وین دی ویئر کے مطابق

"یہودی وہ ہوتا ہے جو یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو اور وہ یہودی عظیم عبرانی پیغمبر حضرات ابراھیمؑ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ کی مذہبی وراثت کا دعویدار ہو سکتا ہے۔"[4]

احمد دیدات یہودیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"یہودیت وہ مذہب ہے جس میں ایک خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ ایک نسل کی برتری و عظمت کا عقیدہ بھی داخل دین ہے۔"[5]

نجران کے عیسائی حضور ﷺ کے پاس اکٹھے ہو گئے اور پھر حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ یہودیوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور عیسائیوں نے دعویٰ کیا کہ وہ عیسائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے دعوے کو یہ فرما کر باطل کر دیا کہ (یااہل الکتاب---- افلا تعقلون) اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل کا نزول ان کے بعد ہوا ہے کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے۔ جب یہودیت اور عیسائیت حضرت ابراہیم کے بعد کی پیداوار ہے تو پھر آپؑ یہودی یا عیسائی کیسے قرار دیے جا سکتے ہیں۔[6]

تفسیر تیسیر القرآن میں مزید آیا ہے:

یہود و نصاریٰ دونوں حضرت ابراہیم کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان میں شدید قسم کے اختلاف تھے۔ مزید یہ کہ یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ ہمارے مذہب پر تھے یعنی یہودی تھے اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا کہ ہمارے مذہب پر تھے یعنی نصاریٰ تھے۔[7]

- **یہود نصاریٰ کی احکام شرعیہ میں مخالفت**

حضرت عیسیٰ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی تھے جو کہ انبیا کرامؑ کی ہی شریعت کو آگے بڑھانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اسی حقیقت کا اعتراف حضرت عیسیٰؑ نے خود کیا تھا۔

"حضرت مسیح نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ توراۃ اور اپنے انبیاء کی وصیتوں پر عمل کروں، میں اس کو توڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس کو پورا اور مکمل کرنے آیا ہوں۔ آسمان کا زمین پر گر جانا، اللہ کے نزدیک زیادہ آسان

ہے بنسبت اس کے کہ میں شریعت موسوی کا کوئی حصہ توڑ دوں اور جس نے بھی اس کا کوئی حصہ توڑا وہ آسمان کے فرشتوں کے درمیان ناقص کہلائے گا۔"[8]

یہود و نصاریٰ کا احکام شرعیہ کے بارے میں آپس میں شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے انہیں اختلافات کو ابن القیم اپنی کتاب میں یوں بیان کرتے ہیں:

اس کے بعد وہ دور آیا جب انہوں نے ان کے احکامات اپنی خواہشات کے مطابق تحریف و تبدیل کرنا شروع کر دیے، اس کی مخالفت کرنے لگے یہاں تک کہ دین مسیح سے بالکل نکل گئے۔

انھوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ کو جادو گر، مجنوں، بیوقوف، ولد الزنا کہتے ہیں چنانچہ وہ لوگ ان کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے، اسی طرح انھوں نے دیکھا کہ یہود ختنہ کرتے ہیں تو انھوں نے ان کی مخالفت میں ختنہ کرنا چھوڑ دیا، انھوں نے دیکھا کہ وہ طہارت میں خوب مبالغہ کرتے ہیں تو انھوں نے یکسر طہارت حاصل کرنا چھوڑ دیا۔ انھوں نے دیکھا وہ حیضہ عورتوں کے ساتھ کھانے پینے اور ان سے ملنے جلنے سے اجتناب کرتے ہیں، تو انھوں نے اس کی مخالفت میں ان سے جماع کرنا شروع کر دیا، انھوں نے دیکھا کہ یہود سور کا گوشت حرام سمجھتے ہیں تو انھوں نے اس کو اپنے اوپر حلال کر لیا اور اس کا کھانا اپنے لئے ایک شرعی فعل قرار دیا، انھوں نے دیکھا کہ یہود بہت سے ذبیحہ اور حیوان کو حرام سمجھتے ہیں تو انھوں نے اس کی مخالفت میں ہاتھی سے لے کر مچھر تک تمام کو اپنے لئے حلال کر لیا، اور کہنے لگے جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو چھوڑ دو کوئی حرج و پابندی نہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ یہود اللہ پر اپنی کسی شریعت کا منسوخ کرنا حرام سمجھتے ہیں تو انھوں نے اپنے اوپر پادریوں اور راہبوں کو پورا اختیار دے دیا کہ جو چاہو حرام کرو اور جو چاہو حلال کرو، اور جسے چاہو منسوخ کرو۔[9]

یہود و نصاریٰ کی اسی روش کو **جیر الڈاے-لاروئے اپنی کتاب آزاد خیالی کی عالمی روایت** میں ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:

"جب عیسائی مبلغین رومی دنیا میں آئے تو انہیں یہودیوں اور غیر یہودیوں دونوں گروہوں میں (عیسائیت) اثر جلد قبول کرنے والے افراد ملے لیکن فوراً ہی اختلافات سامنے آنے لگے۔ مثلاً عیسائیت قبول کرنے سے متعلق ایک سوال یہ سامنے آیا کہ غیر یہودی افراد کا عیسائیت قبول کرنے سے قبل یہودی بننا (ختنہ کروانا) لازمی تھا۔ یروشلم کے عیسائیوں کا کہنا تھا کہ ان کے ختنے کروائے جائیں، سینٹ پال کے معتقدین کا کہنا تھا کہ ان درمیانی اقدام کی ضرورت نہ تھی۔ اس بحث کی جھلک ہمیں سینٹ پال اور اس کے خط میں نظر آتی ہے جو اس نے گلاشیوں کے نام لکھا بالآخر اس کے گروہ کی جیت ہوئی جو ختنے نہ کروانے کے حق میں تھا۔ اسی طرح کا ایک سوال یہودیوں کی کو شرغذاؤں سے متعلق تھا۔ کیا ایسی غیر یہودی افراد جنھوں نے وعیسائیت قبول کی تھی ان پر کو شرغذاؤں کے اصولوں کی پابندی لازم تھی کورنتھ جہاں

بازاروں پر تاجروں کے دیوتا/یالو کا اثر نمایاں تھا، دکانیں اس کے لئے وقف تھیں اور بلاشبہ وہاں ملنے والی غذا کو شر نہ تھی۔ایک بار پھر پال کو غیر یہودی وعیسائیوں کی آزادی قائم رکھنے پر مجبور ہونا پڑا یعنی ان پر یہودیوں کے غذائی اصولوں کو پورا کرنا ضروری نہ تھا"[10]

احمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ :

حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے اور انہوں نے یہودیوں کو ان کے آبائی مذہب پر چلنے کی دعوت دی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو یہودیت سے علیحدہ سمجھا جانے لگا اور عیسائیت کے بعض بنیادی عقائد یہودیت سے مختلف ہو گئے۔[11]

یہود کا حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار

یہود حضرت موسیٰ شریعت کے پیرو کار تھے اور اپنے لیے ایک مسیحا کے منتظر تھے جو کہ ان کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرے۔ حضرت عیسیٰؑ حقیقتاً شریعت موسوی کے ہی علمبردار تھے لیکن بظاہر اس تحریف شدہ احکامات کے خلاف تھے جس پر وہ عمل پیرا تھے اس لیے وہ حضرت عیسیٰ کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے اس بات کو **مولانا مودودی** نے اپنی کتاب میں بیان کیا:

''حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی پیرو آپ کو صرف نبی مانتے تھے، موسوی شریعت کا اتباع کرتے تھے، عقائد اور احکامات اور عبادات کے معاملہ میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے، اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور وہ ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے۔"[12]

ابن القیم اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں: یہود نبی کریم ﷺ کی نبوت کو اپنی کتاب ماننے سے اسی طرح انکار کر رہے ہیں جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انہوں نے انکار کیا حالانکہ صراحتاً حضرت مسیح کا نام ان کی کتابوں میں مذکور تھا جیسا کہ تورات کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے۔

آل یہود سے بادشاہت زائل نہیں ہو گی اور حاکم انہی میں سے ہو گا یہاں تک کہ مسیح آجائیں۔ لیکن جب حجرت عیسیٰ کا ظہور ہوا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی ان پر اور حضرت مریم بڑی بہتان طرازی کی جس کے نتیجے میں بادشاہت ان سے چھین لی گئی اور اللہ نے ان پر عذاب مسلط کر دیا[13]

یہود کا حضرت مریمؑ پر بہتان

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔

وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیم [14]

اور ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے۔

تفسیر تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر یوں بیان ہوئی ہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودی قوم میں فی الواقع ذرہ برابر بھی مشتبہ نہ تھا بلکہ جس روز وہ پیدا ہوئے تھے اسی روز اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو اس بات پر گواہ بنا دیا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی شخصیت کا بچہ ہے جس کی ولادت معجزے کا نتیجہ ہے نہ کہ کسی اخلاقی جرم کا۔ جب بنی اسرائیل کے ایک شریف ترین اور مشہور و نامور مذہبی گھرانے کی بن بیاہی لڑکی گود میں بچہ لیے ہوئے آئی، اور قوم کے بڑے اور چوٹے سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اس کے گھر پر ہجوم کر کے آ گئے، تو اس لڑکی نے ان کے سوالات کا جواب دینے کے بجائے خاموشی کے ساتھ اس نوزائیدہ بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ تمہیں جواب دے گا۔ مجمع نے حیرت سے کہا کہ اس بچے سے ہم کیا پوچھیں جو گہوارے میں لیٹا ہوا ہے۔ مگر یکایک وہ بچہ گویا ہو گیا اور اس نے نہایت صاف اور فصیح زبان میں مجمع کو خطاب کر کے کہا کہ انی عبداللہ قف اتنی الکتب وجعلنی نبیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔" (سورہ مریم رکوع ۲)۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کی ہمیشہ کے لیے جڑ کاٹ دی تھی جو ولادت مسیح کے بارے میں پیدا ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے سن شباب کو پہنچنے تک کسی نے نہ حضرت مریم علیہ السلام پر زنا کا الزام لگایا اور نہ حضرت عیسی کو ناجائز ولادت کا طعنہ دیا۔ لیکن جب تیس برس کی عمر کو پہنچ کر آپ نے نبوت کے کام کی ابتدا فرمائی، اور جب آپ نے یہودیوں کو ان کی بد اعمالیوں پر ملامت کرنی شروع کی، ان کے علماء و فقہاء کو ان کی ریاکاریوں پر ٹوکا، ان کے عوام اور خواص سب کو اس اخلاقی زوال پر متنبہ کیا جس میں وہ مبتلا ہو گئے تھے، اور اس پر خطر راستے کی طرف اپنی قوم کو دعوت دی جس میں خدا کے دین کو تا عمر قائم کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانیاں برداشت کرنی پڑتی تھیں اور ہر محاذ پر شیطانی قوتوں سے لڑائی کا سامنا تھا، تو یہ مجرم صداقت کی آواز کو دبانے کے لیے ہر ناپاک سے ناپاک ہتھیار استعمال کرنے پر اتر آئے۔ اس وقت انہوں نے وہ بات کہی جو تیس سال تک نہ کہی تھی کہ مریم علیہا السلام معاذ اللہ زانی ہیں اور عیسی ابن مریم والد الزنا۔ حالانکہ یہ جانتے تھے کہ یہ دونوں ماں بیٹے اس گندگی سے بالکل پاک ہیں۔ پس در حقیقت ان کا یہ بہتان کی حقیقی شبہ کا نتیجہ نہ تھا جو واقعی ان کے دلوں میں موجود ہوتا، بلکہ خالص بہتان تھا جو انہوں نے جان بوجھ کر محض حق کی مخالفت کے لیے گھڑا تھا اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے ظلم اور جھوٹ کے بجائے کفر قرار دیا ہے کیونکہ اس الزام سے ان کا اصل مقصد خدا کے دین کا راستہ روکنا تھا نہ کہ ایک بے گناہ عورت پر الزام لگانا۔[15]

مولانا مودودی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"اختلاف سے مراد یہ ہے کہ ایک گروہ نے ان کا انکار کیا تو مخالفت میں اس حد تک پہنچ گیا کہ ان پر ناجائز ولادت کی تہمت لگائی اور انکو اپنے نزدیک سولی پر چڑھوا کر چھوڑا۔"[16]

تبیان القرآن میں ہے:

انہوں نے حضرت مریم پر بہتان لگایا اور انہوں نے ایک پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی، جب کہ ان کی پاک دامنی پر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰؑ نے مہد (پالنے) میں کلام کر کے دلیل قائم کی۔ [17]

یہود کی حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کی سازش

یہود کی حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کی سازش کے بارے میں قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔

وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله [18]

"اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰؑ مریم کے بیٹے کو جو رسول علیہ السلام تھا اللہ"

تفسیر القرآن میں اس آیت کے ذمن میں لکھا ہے کہ:

"دوسرا جرم یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے سیدنا عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا کر مار ڈالا ہے۔ یعنی ان کی پیدائش اور وفات جو دونوں معجزانہ طور واقع ہوئی تھیں ان کا صرف انکار ہی نہیں بلکہ ماں بیٹا دونوں پر الزامات بھی لگاتے رہے" [19]

مولانا مفتی شفیع بیان کرتے ہیں:

سورہ آل عمران کی آیت یعیسی انی متوفیک و رافع إلی الآیہ (3:55) میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن یہود کے عزائم کو ناکام بنانے اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی دستبرد سے بچانے کے سلسلہ میں پانچ وعدے فرمائے تھے جن کی تفصیل اور مکمل تشریح و تفسیر سورہ آل عمران کی تقریر میں بیان ہو چکی ہے ان وعدوں میں ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ یہود کو آپ کے قتل پر قدرت نہیں دی جائے گی، بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھالیں گے، اس آیت میں یہود کی شرارتوں اور جھوٹے دعوؤں کے بیان میں اس الٰہیہ کی تکمیل اور یہود کے مغالطہ کا مفصل بیان اور یہود کے اس قول کی مکمل تردید ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ [20]

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

یعنی جرات مجرمانہ اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ رسول جانتے تھے اور پھر اس کے قتل کا اقدام کیا اور فخریہ کہا کہ ہم نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے۔ اور ہم نے جو اس کے واقعہ کا جو حوالہ دیا ہے اس پر غور کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ کہ یہودیوں کے لیے مسیح علیہ السلام کی میں شک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ پھر جو روشن نشانیاں انہوں نے حضرت موصوف سے مشاہدہ کیں (جن کا ذکر سورہ آل عمران رکوع 5 میں گزر چکا ہے) ان کے بعد تو یہ معاملہ بالکل ہی غیر مشتبہ ہو چکا تھا کہ آنجناب اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اس لیے واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ کسی غلط فہمی کی بنا پر نہ تھا بلکہ وہ خوب جانتے تھے کہ ہم اس جرم کا ارتکاب اس شخص کے ساتھ کر رہے ہیں جو اللہ کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہے۔

بظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ کوئی قوم کسی شخص کو نبی جانتے اور مانتے ہوئے اسے قتل کر دے۔ مگر واقع یہ ہے کہ بگڑی ہوئی قوموں کے انداز واطوار ہوتے ہی کچھ عجیب ہیں۔ وہ اپنے درمیان کسی ایسے شخص کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں جو ان کی برائیوں پر انہیں ٹوکے اور ناجائز کاموں سے ان کو روکے۔ ایسے لوگ چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہوں، ہمیشہ بدکردار قوموں میں قید اور قتل کی سزائیں پاتے ہی رہے ہیں۔ تلمود میں لکھا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس فتح کیا تو وہ ہیکل سلیمانی میں داخل ہوا اور اس کی سیر کرنے لگا۔ عین قربان گاہ کے سامنے ایک جگہ دیوار پر اسے ایک تیر کا نشان نظر آیا۔ اس نے یہودیوں سے چوچھا یہ کیسا نشان ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہاں زکریا نبی کو ہم نے قتل کیا تھا۔ وہ ہماری برائیوں پر ہمیں ملامت کرتا تھا۔ آخر جب ہم اس کی ملامتوں سے تنگ آ گئے تو ہم نے اسے مار ڈالا۔ بائبل میں یرمیاہ نبی سے متعلق لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی بداخلاقیاں حد سے گزر سکیں اور حضرت یرمیادہ نے ان کو متنبہ کیا کہ ان اعمال کی پاداش میں خدا تم کو دوسری قوموں سے پامال کرادے گا تو ان پر الزام لگایا گیا کہ یہ شخص کسدیوں (کلدانیوں سے ملا ہوا ہے اور قوم کا غدار ہے۔ اس الزام میں ان کو جیل بھیج دیا گیا۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب سے دو ڈھائی سال پہلے ہی حضرت یحییٰ کا معاملہ پیش آ چکا تھا۔ یہودی بالعموم ان کو ئی جانتے تھے اور کم از کم یہ مانتے ہی تھے کہ وہ ان کی قوم کے صالح ترین لوگوں میں سے ہیں۔ مگر جب انہوں نے ہیرودیس (والی ریاست یہودیہ) کے دربار کی برائیوں پر تنقید کی تو اسے برداشت نہ کیا گیا۔ پہلے جیل بھیجے گئے، اور پھر والی ریاست کی معشوقہ کے مطالبے پر ان کا سر قلم کر دیا گیا۔[21]

مولانا مودودی اپنی کتاب یہودیت قرآن کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عیسیٰؑ پر بنی اسرائیل کے علماء اور سرداران قوم کا غصہ بھڑکا کیونکہ وہ انہیں ان کے گناہوں اور ان کی ریاکاریوں پر انہیں ٹوکتے تھے اور ایمان اور راستی کی تلقین کرتے تھے۔ اس قصور پر ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ تیار کیا گیا، رومی عدالت سے ان کے قتل کا فیصلہ حاصل کیا گیا، اور جب رومی حاکم پیلاطس نے یہود سے کہا کہ عید کے روز میں تمہاری خاطر یسوع اور براباڈا کو دونوں میں سے کس کو رہا کروں؟ تو ان کے پورے مجمع نے بالاتفاق پکار کر کہا کہ برابا کو چھوڑ دے اور یسوع کو پھانسی پر لٹکا۔"[22]

رفع مسیح کے بارے میں یہود و نصاری کا اختلاف

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقين۔[23]

"اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا وہی صورت بن گئی ان کے آگے جو لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں اور جو لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بیشک"۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

ان آیات میں واضح کیا گیا کہ **وما قتلوہ وما صلبوہ** یعنی ان لوگوں نے حضرت عیسی ابن مریم کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ صورتحال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔

یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا-ولکن شبه لهم کی تفسیر میں امام حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، حضرت مسیح علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسی علیہ السلام کے قتل کے لئے تیار کھڑا تھا حضرت عیسی علیہ السلام کا پتہ دیا اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حوارئین سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں سے ایک آدمی نے اس غرض کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا، آپ نے اس کو اپنا کرتا، عمامہ عطا کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی اور جب وہ باہر نکل آیا تو یہود اسے پکڑ کر لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسی علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلانوس کو حضرت عیسی علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، حضرت عیسی تو مکان میں نہ ملے، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالی نے اٹھا لیا تھا اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو حضرت عیسی علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا گیا تھا یہود یہ سمجھے کہ یہی عیسی ہے اور اسے اپنے ہی آدمی کو لیجا کر قتل کر دیا (مظہری)

ان میں سے جو بھی صورت حال پیش آئی ہو سب کی گنجائش ہے، قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا اس لئے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ قرآن کریم نے اس جملے اور دوسری تفسیری روایات سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتی ہے کہ یہود و نصاری کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا اور اپنے اپنے گمان و قیاس کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کئے اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے، اسی حقیت کی طرف قرآن کریم کے ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: وان الذين اختلفوا فيه لفي شک منهمالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوا يقيناً کہ ان کے پاس صحیح علم کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں ہے جن جن لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کئے ہیں یہ سب شک اور ٹکل کی باتیں

ہیں، صحیح صورت واقعہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالی نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔[24]

مولانا مودودی اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے جانے سے پہلے اٹھالئے گئے تھے اور یہ کہ مسیحیوں اور یہودیوں، دونوں کا خیال کہ مسیح نے صلیب پر جان دی، محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قرآن اور بائیبل کے بیانات کا متقابل مطالعہ کرنے سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غالباً پیلاطس کی عدالت میں تو پیشی آپ ہی کی ہوئی تھی، مگر جب وہ سزائے موت کا فیصلہ سنا چکا، اور جب یہودیوں نے مسیح جیسے پاک نفس انسان کے مقابلہ میں ایک ڈاکو کو جان کو زیادہ قیمتی ٹھہرا کر اپنی حق دشمنی و باطل پسندی پر آخری مہر بھی لگادی، تب اللہ تعالی نے کسی وقت آنجناب کو اٹھالیا۔ بعد میں یہودیوں نے جس شخص کو صلب پر چڑھایا وہ آپ کی ذات مقدس نہ تھی بلکہ کوئی اور شخص تھا جس کو نہ معلوم کس وجہ سے ان لوگوں نے عیسیٰ ابن مریم سمجھ لیا۔ تاہم ان کو جرم اس سے کم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس کو انہوں نے کانٹوں کا تاج پہنایا، جس کے منہ پر تھوکا اور جسے ذلت کے ساتھ صلیب چڑھایا اس کو وہ عیسیٰ بن مریم ہی سمجھ رہے تھے اب یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ معاملہ کس طرح ان کے لیے مشتبہ ہو گیا۔ چونکہ اس باب میں کوئی یقینی ذریعہ معلومات نہیں ہے اس لیے مجرد قیاس و گمان اور افواہوں کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبہ کو نوعیت کیا تھی جس کی بناپر یہودی یہ سمجھے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو صلیب دی ہے در آں حالے کہ عیسیٰ ابن مریم ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔

اختلاف کرنے والوں سے مراد عیسائی ہیں۔ ان میں مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے پر کوئی ایک متفق علیہ قول نہیں ہے بلکہ بیسیوں اقوال ہیں جن کی کثرت خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل حقیقت ان کے لیے بھی مشتبہ ہے۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر جو شخص چڑھایا گیا وہ میں نہ تھا بلکہ میت کی شکل میں کوئی اور تھا جسے یہودی اور رومی سپاہی ذلت کے ساتھ صلیب دے رہے تھے اور مسیح وہیں کسی جگہ کھڑا ان کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر چڑھایا تو ان ہی کو گیا تھا مگر ان کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ اتارے جانے کے بعد ان میں جان تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے صلیب پر وفات پائی اور پھر وہی اٹھے اور کم و بیش دس مرتبہ اپنے خلاف حواریوں سے ملے اور کوئی کہتا ہے کہ صلیب کی موت مسیح کے جسم انسانی پر واقع ہوئی اور وہ دفن ہوا مگر الوہیت روح کی جو اس میں تھی وہ اٹھالی گئی اور کوئی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد مسیح علیہ السلام جسم سمیت زندہ ہوئے اور جسم سمیت اٹھائے گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس حقیقت کا علم ہوتا تو اتنی مختلف باتیں ان میں مشہور نہ ہوتیں"۔[25]

پروفیسر غلام رسول چیمہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

یہود مسیح کو صلیب پر لٹکائے جانے کے بارے میں یہود، عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ پیلاطس کے حکم کے تحت یسوع مسیح صلیب پر لٹکا دیئے گئے، موسوی شریعت کی رو سے وہ لعنتی ثابت ہوئے (نعوذ باللہ) کیونکہ موسوی شریعت میں لکھا ہے کہ جو صلیب پر چڑھایا جائے وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ استثنا باب 21 آیت 23 میں لکھا ہے: جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔ عیسائی کہتے ہیں یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا اور صلیب پر ہی انہوں نے جان دی۔ دفن کے تیسرے دن زندہ ہوئے اور آسمان پر چڑھے، اور اب وہ اپنی باپ کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ [26]

یہود و نصاریٰ کا باھم دین سے انکار

وقالت الیھود لیست النصری علی شیئ وقالت النصری الضری لیست الیھود علی شی وھم یتلون الکتب [27]

یہودی کہتے ہیں: عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں: یہودیوں کے پاس کچھ نہیں حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں۔ اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے۔

تفسیر کنزالایمان میں اس آیت کی تفسیر بیان ہوئی ہے

شان نزول: نجران کے نصاری کا وفد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو علمائے یہود آئے اور دونوں میں مناظرہ شروع ہو گیا آوازیں بلند ہوئیں، شور مچا، یہود نے کہا کہ انصاری کا دین کچھ نہیں اور حضرت عیسی علیہ السلام اور انجیل شریف کا انکار کیا اسی طرح انصاری نے یہود سے کہا کہ تمہارا دین کچھ نہیں اور توریت شریف حضرت موسی علیہ السلام کا انکار کیا اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی باوجود علم کے انہوں نے ایسی جاہلانہ گفتگو کی حالانکہ انجیل شریف جس کو نصاری مانتے ہیں اس میں توریت اور حضرت موسی علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق ہے اسی طرح توریت جس کو یہودی مانتے ہیں اس میں حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت اور ان تمام احکام کی تصدیق ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے۔ [28]

تیسیر القرآن میں بیان ہوا ہے یہود تورات بھی پڑھتے ہیں اور انجیل بھی اسی طرح نصاریٰ بھی یہ دونوں کتابیں پڑھتے ہیں۔ تاہم یہودی عیسائیوں کو اس لیے کافر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ایک کے بجائے تین خدا بنا رکھے ہیں اور نصاریٰ یہود کو اس لیے کافر سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے۔ حالانکہ تورات میں ان کی بشارت موجود ہے۔ [29]

تفسیر عثمانی میں لکھا ہے کہ:

ف ۲ یہودیوں نے تورات پڑھ کر سمجھ لیا کہ جب نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا، تو بیشک وہ کافر ہو گئے اور نصرانیوں نے انجیل میں صاف دیکھ لیا یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔ [30]

یہود و نصاریٰ کا غرور

قرآن میں ہے کہ:

وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصریٰ [31]

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

ف ۷ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ بجز ہمارے کوئی جنت میں نہ جائے گا اور انصاریٰ کہتے تھے کہ بجز ہمارے کوئی بہشت میں نہ جائے گا۔ [32]

شیطان صفت مغرور یہودی: یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا سورۃ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہو گا؟ اسی طرح کے مفہوم کا بیان پہلے بھی گزرا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے۔ [33]

عقیدہ توحید میں اختلاف

قرآن میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔

وَقَالَتِ ٱلۡيَهُودُ عُزَيۡرٌ ٱبۡنُ ٱللَّهِ وَقَالَتِ ٱلنَّصَٰرَى ٱلۡمَسِيحُ ٱبۡنُ ٱللَّهِۖ ذَٰلِكَ قَوۡلُهُم بِأَفۡوَٰهِهِمۡۖ يُضَٰهِـُٔونَ قَوۡلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قَبۡلُۚ قَٰتَلَهُمُ ٱللَّهُۖ أَنَّىٰ يُؤۡفَكُونَ [34]

اور یہود نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور نصاری نے کہا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی، ہلاک کرے ان کو اللہ، کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

یہود تو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اس لئے ان کا دعویٰ توحید اور ایمان کا غلط ہوا۔ پھر فرمایا (آیت) ذلك قولہ بأفوا ھھم، یعنی یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے، اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ صاف طور پر اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرتے ہیں کوئی مخفی چیز نہیں، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ کلمہ کفر صرف ان کی زبانوں پر ہے نہ اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہیں نہ دلیل۔ پھر ارشاد فرمایا (آیت) تضاھؤن قول الذین کفرؤا من قبل قتلھم اللہ انی یوفکون یعنی یہ ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر

ہو چکے ہیں، خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ انبیاء کو خدا کا بیٹا کہنے میں ایسے ہی ہو گئے جیسے پچھلے کفار و مشرکین تھے کہ فرشتوں کو اور لات و منات کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔[35]

تفہیم القرآن میں ہے

۲۹ عزیر سے مراد عزرا (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ سن ۴۵۰ قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دور ابتلاء بنی اسرائیل پر آیا اس میں نہ صرف یہ کہ توراۃ دنیا سے کم ہو گئی تھی بلکہ بائبل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا بنایا ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی رونما ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔[36]

اللہ کی اولاد قرار دینے والے فرقے۔ اور نصاریٰ نے مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا تھا جس کی وجہ ان کی معجزانہ پیدائش، آپ کو اللہ کے عطا کردہ معجزات اور آپ کا آسمان پر اٹھایا جانا تھے۔ جس کا ذکر قرآن میں جابجا مذکور ہے۔ ان اہل کتاب نے دراصل سابقہ اقوام کے فلسفہ و اوہام سے متاثر ہو کر ایسے گمراہ کن عقائد اختیار کر لیے تھے۔ بعض نصاریٰ ایسے بھی تھے جو سیدنا عیسیٰ کو خدا تین خداؤں میں سے ایک خدا ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور پھر انہیں خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے اور اس آیت میں سابقہ اقوام سے مراد یونانی، ہندی اور مصری تہذیبیں ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی بیوی، بیٹے بیٹیاں پھر اس سے آگے اس کی اولاد کی نسل چلا کر ایسے دیوی دیوتاؤں کی ایک پوری دیومالا تیار کر دی تھی اور اس کے اثرات ملک عرب میں بھی پائے جاتے تھے[37]

اللہ تعالیٰ قرآن میں مزید بیان کرتے ہیں:

ٱتَّخَذُوٓاْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلاَّ لِيَعْبُدُوٓاْ إِلَـٰهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـٰهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ[38]

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر یوں ہوتی ہے؟

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم، جو پہلے عیسائی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مشرف بااسلام ہوئے تو انہوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک یہ سوال بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ فرمایا بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے مقام پر بزعم خود متمکن ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حق شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انہیں خدا بناتے ہیں۔

وہ دونوں الزام، یعنی کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا اور کسی کو شریعت سازی کا حق دے دینا اس بات کے ثبوت میں پیش کیے گئے ہیں۔ کہ یہ لوگ ایمان باللہ کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ خدا کی ہستی کو چاہے یہ مانتے ہوں مگر ان کا تصور خدائی اس قدر غلط ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہو گیا۔ [39]

تفسیر کنزالایمان میں ہے:

حکم الہیٰ کو چھوڑ کر ان کے حکم کے پابند ہوے۔

کہ انہیں بھی خدا بنایا اور ان کے نسبت یہ اعتقاد باطل کیا وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں یا خدا نے ان میں حلول کیا ہے۔

ان کی کتابوں میں نہ ان کے انبیاء کی طرف سے۔ [40]

تفسیر معارف القرآن میں ہے کہ:

"ان چاروں آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور عباد و زہاد کی گمراہی اور ان کے کفریات قولی و عملی کا ذکر ہے احبار خبر کی جمع اور ہبان راہب کی جمع ہے، حبر یہود و نصاریٰ کے عام کو اور راہب عابد و زاہد کو کہا جاتا ہے"۔

پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء اور عبادت گذاروں کو اللہ کے سوا اپنا رب اور معبود بنا رکھا ہے، اسی طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اپنا رب بنالیا، ہے حضرت عیسیٰ السلام کو رب و معبود بنانا تو اس لئے ظاہر ہے کہ وہ ان کو خدا تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں اور کہتے تھے اور علماء و عباد کو معبود بنانے کا جو الزام ان پر عائد کیا گیا ہے اگرچہ وہ صراحتہ ان کو اپنا رب نہ کہتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اطاعت مطلقہ جو خالص اللہ جل شانہ کا حق ہے اس حق کو ان کے حوالے کر دیا تھا، کہ حال میں ان کے کہنے کی پیروی کرتے تھے، اگرچہ انکا قول اللہ اور رسول کے خلاف ہی کیون نہ ہو تو یہ ظاہر ہے کہ کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ اللہ و رسول کے فرمان کے خلاف بھی کہے تو اس کی اطاعت نہ چھوڑے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو اپنا رب اور معبود کہے، جو کھلا ہوا کفر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسائل دین سے ناواقف عوام کے لئے علماء کے فتوی کا اتباع در حقیقت خدا اور رسول ہی کے احکام کا اتباع ہوتا ہے اہل علم و نظر براہ راست اللہ ور سول کے کلام کو دیکھ کر اس پر عمل کرتے ہیں، اور ناواقف عوام اہل علم سے پوچھ کر انہی احکام پر عمل کرتے ہیں اور اہل علم جو درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ بھی اجتہادی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اتباع کرتے ہیں، یہ اتباع خود قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہے اور حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے جیسا کہ ارشاد ہے (آیت) فسلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون، یعنی اگر تم خود احکام خدا اور سول سے واقف نہیں تو اہل علم سے پوچھ کر عمل کیا کرو۔

یہود و نصاری کے عوام نے کتاب اللہ اور احکام خدا اور سول کو بالکل نظر انداز کر کے خود غرض پیشہ ور علماء جاہل عبادت گذاوں کے قول و عمل ہی کو اپنا دین بنالیا تھا، اس کی مذمت اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔ [41]

یوم السبت میں اختلاف

اللہ تعالی نے یہود و نصاری کے اس اختلاف کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا جُعِلَ ٱلسَّبْتُ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ [42]

اور ر باسبت (ہفتہ) کا قصہ تو وہ صرف ان لوگوں پر مسلط کیا گیا جنہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا تھا۔ آپ کا پروردگار قیامت کے دن یقیناان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے

مولانا مودودی اپنی کتاب یہودیت قرآن کی روشنی میں میں لکھتے ہیں:

سبت ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں۔ یہ دن بنی اسرائیل کے لیے مقدس قرار دیا گیا تھا اور اللہ تعالی نے اسے اپنے اور اولاد اسرائیل کے درمیان پشت در پشت تک دائمی عہد کا نشان قرار دیتے ہوئے تاکید کی تھی۔ کہ اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے، گھروں میں آگ تک نہ جلائی جائے، جانوروں اور لونڈی غلاموں تک سے کوئی خدمت نہ لی جائے، اور یہ کہ جو شخص اس ضابطہ کی خلاف ورزی کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ [43]

تفسیر تیسیر القرآن میں اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں ہوئی ہے:

سبت کے بارے یہود نے پہلا اختلاف تو یہ کیا کہ جمعہ کے دن کے بجائے ہفتہ کے دن پر اصرار کیا۔ پھر یہود کا ایک قبیلہ جو بستی ایلہ میں مقیم تھا۔ سبت کی تعظیم پر قائم نہ رہا اور حیلوں بہانوں سے اس دن مچھلیوں کے شکار کی راہ ہموار کرلی۔ اور جب انھیں دوسرا فریق منع کرتا تو زبانی وہ یہی کہتے تھے کہ ہم نے کب سبت کی حرمت کو توڑا ہے۔ ہم سبت کے دن کب شکار کرتے ہیں۔ شکار تو ہم اتوار کو کرتے ہیں پھر عیسیٰ آئے تو وہ بھی موسوی شریعت کی پیروی کی تعلیم دیتے رہے۔ اور ہفتہ کے دن کی تعظیم کی تاکید کرتے رہے مگر بعد میں انصاری نے اختلاف کیا اور ہفتہ کی بجائے اتوار کا دن چھٹی

کا دن قرار دے دیا۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ "ہم پیچھے آئے ہیں مگر قیامت کے دن پہلے ہوں گے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اہل کتاب کو کتاب پہلے ملی اور ہمیں بعد میں ملی۔ پس وہ دن جو اللہ نے ان پر فرض کیا تھا اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ پھر اللہ تعالی نے ہمیں بتادیا کہ وہ ہمارے پیچھے رہ گئے ہو تو ایک دن پیچھے رہے اور انصاری اس کے بعد مزید ایک دن۔ [44]

یہود و نصاری کے اسی اختلاف کو ابن القیم اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں:

یہود سبت کی تعظیم کرتے ہیں اور اس میں دنیاوی کام کاج حرام کر لیتے ہیں تو انھوں نے اتوار کے دن کی تعظیم کرنی شروع کر دی اور سنیچر کو اپنے لئے حلال کر لیا، باوجود کہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح خود سبت کی تعظیم اور اس کی حفاظت کرتے تھے"۔ [45]

تفسیر ابن کثیر میں ان کے اسی اختلاف کو بیان کیا گیا ہے:

ہر امت کے لئے ہفتے مین ایک دن اللہ تعالیٰ نے ایسا مقرر کیا ہے جس میں وہ جمع ہو کر اللہ کی عبادت کی خوشی منائیں۔ اس امت کے لئے وہ دن جمع کا دن ہے، اس لئے کہ وہ چھٹا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کامل کیا۔ وہ ساری مخلوق پیدا ہو چکی اور اپنے بندوں کو ان کی ضرورت کی اپنی پوری نعمت عطا فرمادی۔ مروی ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی زبانی یہی دن بنی اسرائیل کے لئے مقرر فرمایا گیا تھا لیکن وہ اس سے ہٹ کر ہفتے کے دن کو لے بیٹھے، یہ سمجھے کہ جمعہ کو مخلوق پوری ہو گئی، ہفتہ کے دن اللہ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ پس تورات جب اتری ان پر وہی ہفتے کا دن مقرر ہو ااور انہیں حکم ملا کہ اسے مضبوطی سے تھامے رہیں، ہاں یہ ضرور فرمادیا گیا تھا۔ کہ آنحضرت محمد ﷺ جب بھی آئیں تو وہ سب کے سب کو چھوڑ کر صرف آپ ہی کی اتباع کریں۔ اس بات پر ان سے وعدہ بھی لے لیا تھا پس ہفتے کا دن انہوں نے خود ہی اپنے لئے چھانٹا تھا۔ اور آپ ہی جمعہ کو چھوڑا تھا۔ حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کے زمانہ تک یہ اسی پر رہے۔ کہا جاتا ہے کہ پھر آپ نے انہیں اتوار کے دن کی طرف دعوت دی۔ ایک قول ہے کہ آپ نے توراۃ کی شریعت چھوڑی نہ تھی سوائے اس منسوخ احکام کے اور ہفتے کے دن کی محافظت آپ نے بھی برابر رکھی۔ جب آپ آسمان پر چڑھا لئے گئے تو آپ کے بعد قسطنطین بادشاہ کے زمانے میں صرف یہودیوں کی ضد میں آکر صخرہ سے مشرق جانب کو اپنا قبلہ انہوں نے مقرر کر لیا اور ہفتے کی بجائے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول وسلم فرماتے ہیں ہم سب سے آخر والے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے والے ہیں۔ ہاں انہیں کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔ یہ دن بھی اللہ نے ان پر فرض کیا لیکن ان کے اختلاف نے انہیں کھو دیا اور اللہ رب العزت نے ہمیں اس کی ہدایت دی پس یہ سب لوگ ہمارے پیچھے پیچھے ہیں۔ یہودی ایک دن پیچھے نصارنی دو دن۔ آپ فرماتے ہیں ہم سے پہلے کی امتوں کو اللہ نے اس دن سے محروم کر دیا یہود نے ہفتے کا دن رکھا نصاری نے اتوار کا اور جمعہ ہمارا ہوا۔ پس جس طرح دنوں کے اس اعتبار سے وہ

ہمارے پیچھے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی ہمارے پیچھے ہی رہیں گے۔ ہم دنیا کے اعتبار سے پہلے ہیں اور قیامت کے اعتبار سے پہلے ہیں ان تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلے ہمارے ہوں گے۔[46]

حرف آخر

یہود و نصاریٰ کو قرآن پاک نے اہل کتاب کے نام سے مخاطب کیا ہے۔ یہ دونوں بظاہر اسلام دشمن دوست نظر آتے ہیں لیکن حقیقت اس سے پرے ہے۔ یہ دو کنارے ہیں جو کبھی مل نہیں سکتے۔ اس بات کا اندازہ ان کے باہمی اختلافات سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہود حضرت موسیٰؑ کی پیروی کرتے ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی اور دونوں ہی اپنی نسبت حضرت ابراہیمؑ سے جوڑتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ آپس میں بہت سے معاملات میں اختلافات کرتے ہیں چاہیے وہ احکام شرعیہ ہوں یا کوئی اور معاملہ۔ زیر نظر تحقیق اس بات کو واضح کرتی کرتی ہے کہ اہل کتاب جن بھی معاملات میں اختلاف کرتے ہیں اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ انکا صحیح اور کامل علم خود انکو بھی نہیں اس لیے ان میں مختلف عقائد رائج ہیں اور اسی راسخ العقیدگی کی بناپر انکو دشمن اسلام گردانا جاتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] تفسیر ابن کثیر 141/1

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 355/23

[3] یہودیت عیسائیت اور اسلام، ص45

[4] یہودیت، تاریخ عقائد، فلسفہ، ص11

[5] یہودیت عیسائیت اور اسلام، ص47

[6] احکام القرآن، 36/3

[7] ایضاً، 276/1

[8] یہود و نصاریٰ حقیقت کے آئینے میں، ص310

[9] یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینے میں، ص311

[10] آزاد خیالی کی عالمی روایت، ص، 200

[11] مذاہب عالم ص، 286

[12] نصرانیت قرآن کی روشنی میں، ص، 69

[13] یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینے میں، ص238

[14] سورۃ النساء، 156:4

[15] تفہیم القرآن، 417-418/1

[16] یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص171

[17] تبیان القرآن، 852/2

[18] سورۃ النساء، 4:157

[19] تیسیر القرآن 483/1

[20] معارف القرآن، 601/2

[21] تفہیم القرآن، 418-419/1

[22] یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص 105

[23] سورۃ النساء، 4:157

[24] معارف القرآن، 601-602/2

[25] فہیم القرآن، 420-419/1

[26] مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص 442-441

[27] البقرہ 2:113

[28] تفسیر کنز الایمان، 38

[29] تیسیر القرآن، 100/1

[30] تفسیر عثمانی، ص 22

[31] البقرہ 2:111

[32] تفسیر عثمانی، ص 21

[33] تفسیر کنز لایمان، ص، 38

[34] سورۃ التوبہ، 30:9

[35] معارف القرآن، 362/1

[36] تفہیم القرآن، 189/2

[37] تیسیر القرآن، 200-201/2

[38] سورۃ التوبہ، 9:31

[39] تفہیم القرآن، ۸۹-۹۰

[40] تفسیر کنز الایمان، ص ۳۶۱

[41] معارف القرآن، ۳۶۵

[42] سورۃ النحل، 16:124

[43] یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص 101

[44] تیسیر القرآن، 558-559/2

[45] یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینے میں، ص 311

[46] تفسیر ابن کثیر، 142/3

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

Dissention in Tafsīr Principles and its Impact on Tafsīr Tazkirah by 'Allamah 'Anāyat Allah al-Mashraqī (1888-1963)

Rizwan Rasheed
Lecturer, Islamic Studies, Govt. Degree College Makhdoom Rashid, Multan
Maria Ashraf
Lecturer Associate, Department of Islāmic Studies, The Islāmia University of Bahawalpur, Bahawalnagar Campus

Abstract

All disciplines of knowledge are regulated by certain principles, associated to particular branches of study. Holy Qur'ān, as an everlasting miracle contains injunctions and rulings to all facets of life for all ages. Tafsīr, literally 'to explain' is the explanation of Holy Qur'ān. To provide elucidation for better understanding, different kinds of Qur'ānic interpretation are being penned from early Islamic history. Principles of Tafsīr, as a separate academic field, developed in early centuries of Islamic History in different phases. Few Tafsīr principles are unanimously agreed upon among exegetes while other is not accepted by all. Thus, dissention in Tafsīr principles lead the interpreters to ponder in Qur'ān differently and bring valuable aspects of Qur'ānic teachings into light. This research paper briefly reviews the fundamental principles of Tafsīr and its impacts on Tafsīr Tazkirah by 'Allamah 'Anayat Allah al-Mashraqī (d.1963). Exegetes of Subcontinent have contributed significantly to Tafsīr Literature. In all interpretations, exegetes established and describe few principles which they did follow to interpret Holy Qur'ān. Exegeses in subcontinent can be classified in two major types, Tafsīr bi al-Riwāyah (explanation through sound transmissions), and Tafsīr bi al-Ra'ay (Interpretation by reasoning). Generally, the later one was not approved by mainstream Islamic theologian of subcontinent. Moreover, comparison and relevancy of Tafsīr Tazkirah to traditional Tafsīr, as well as, outlook of this modernist exegete, is also a prime concern of this research paper. By adopting qualitative methodology, findings would be concluded in the end.

Keywords: *Tafsīr Principles, Urdu Exegeses. Subcontinent, Tafsīr Tazkirah, 'Allamah 'Anayat Allah al-Mashraqī*

Foreword

Though the Holy Book, Qur'ān, last message from Creator to mankind revealed in Arabic language yet language is not the only tool to understand

this message (text and meaning) in detail. That is not the only case with Qur'ān but scriptures of all three Semitic religions Judaism, Christianity and Islam did face the same issue. Certain Divine injunctions and decree were interpreted differently by theologian of these religions. Therefore different school of thoughts did appear within one religion over the passage of time. [1] Qur'ān has been interpreted by different sources and methodologies. Systematic principles and methodologies of interpreting Qur'ān are called Tafsīr Principles. Many Muslim theologian and exegetes did interpret Qur'ān by depending on sound Prophetic (saww) traditions and companions (r.a) reports while few gives priority to their own reason. The prime reason behind this issue is how to determine and fix the exact meaning of Qur'ānic text as desired and required by Lord Almighty? Like many other languages, Arabic has also many words which have more than one meaning. Difference in meaning can lead to difference in understanding and result. Above all, the question is who has the supreme authority to describe and fix the exact meaning of Qur'ānic text that should be followed by others. In Prophet Muhammad (saww) life that was not an issue, He was the only authority to interpret Qur'ānic words through his actions and words. Prophet Muhammad (saww) was declared receiver as well as the interpreter of revelation by Allah Almighty.

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

And We revealed to you the message [i.e., the Qur'ān] that you may make clear to the people what was sent down to them and that they might give thought.[2]

As Prophet (saww) departed this world his trained companions (r.a) teaches Qur'ān to the people around them by promoting Prophetic traditions and transmissions. Fatal outcomes of wrong Qur'ānic understanding can be understood from crises developed by extremist deviated group of Muslims called *Khawarij* in 1st Islamic century. [3] Present Tafsīr literature can be classified into two main categories and Tafsīr bi al-Mathūr (interpretation of Qur'ān based on by Prophetic traditions) and Tafsīr bi al-Ra'ay (Interpretation based on reason). Hitherto, in the presence of criticism for each other, both kind of Tafsīr are being written from early age till present time. Tafsīr Tazkirah by 'Allamah Mashraqī is also been considered a Tafsīr based on reason. This article is an humble effort to analyze this exegesis.

Literature Review:

From early Islamic history till recent times numbers of books are written on principles of Tafsīr. Beside some primary books written in Arabic, many other books were consulted written in subcontinent to have deep insight on this academic issue. Shah Wali Allah (d.1762) notable work about Tafsīr Principles *Al-fauz al-kabīr Fī Asūl al-Tafsīr* was a landmark that can be traced in later exegetes work even after two centuries. Shah Walī Allah work mainly

represent mainstream traditional *Tafsīr bi al-Mathūr* school of thought with exceptions in few areas. Whereas In *Tafsīr bi al-Rā'ay,* Sir Sayyad Ahmad Khān (d.1898) noteworthy work *al-Tahrīr fī Usūl al-Tafsīr* is considered as a pioneer document. In addition to that Moulānā Hamiduddin Farāhī (d.1930), Moulānā Amīn Ahsan Islāh (d.1997), Moulānā Muhammad Hanīf Nadwī (d.1987) also contributed to this field. Two Ph.D dissertations are written on this topic.[4] Many valuable research article are also written on this topic including Methodology of Ibn-e-Taymiyyah in *Muqaddamah fī Usūl al-Tafsīr* by Dr. Sana Allah,[5] and Tafsīr in the age of Sahabah, Methodologies and salient features by Dr. Muhammad Sa'd Siddiqui.[6]

Kinds of Tafsīr Literature:

Tafsīr is a genre to which Muslim scholars contributed to a fair amount. Great number of Tafsīr has been written from early Islamic history until present time. There are two major classification of Tafsīr literature, *Tafsīr bi al-Mathūr* (interpretation by Prophet saww sayings) and *Tafsīr bi al-Ra'ay* (Interpretation through speculation and reasoning). *Tafsīr bi al-Ra'ay* has further two more categories. One is acknowledged by mainstream Islamic theologian if it does not go against well established mainstream Islamic teaching, ideology and philosophy. And if the interpretation go against the unanimously agreed upon issues then Tafsīr is not appreciated and disapproved by mainstream Islamic intelligentsia. Over the passage of time different kinds of Qur'ānic interpretation and commentaries penned down i.e. Legal Tafsīr (*Āhkam al-Qur'ān* by *al-Jasās* d. 942), Rhetorical Tafsīr (*Majāz al-Qur'ān* by *Abū 'Ubāydah* d. 824), AllegoricalTafsīr (*Tafsīr Tustarī* by *Sahl al-Tustarī* d. 896) textual Tafsīr (*Ma'ānī al-Qur'ān* by *al-Farā* d. 822),

Principles of *Tafsīr bi al-Mathūr*:

According to mainstream Islamic scholars, Tafsīr principles and Qur'ānic sciences (*'Ulūm al-Qur'ān*) are considered synonyms terminologies. An interpreter is expected to excel in Qur'ānic sciences to have deep and perfect insight in Qur'ān. Few Tafsīr principles are as follows.

The *Mufassir* (interpreter) must:

(1) Be sound in belief. (2) Know who the addresses of specific verses are. (3) Know what are different kinds and styles of address in Qur'ān? (4) Knows why, when and where certain verses were revealed? (5) Seek guidance from Qur'an and Prophet saying to interpret Qur'ānic text. (6) Give priority to reports of *Sahabah* (Prophet Muhammad saww companions). (7) Knows the verses of abrogation (*Naskh*). (8) Symmetry in Qur'ān (9) Wisdom behind repetition in Qur'ān (10) know Arabic language and grammar (11) Acquaintance to different Qur'ānic dialect (12) General and specific rulings.[7]

It should be kept in mind that advocates of *Tafsīr bi al-Mathūr* do not discourage logical reasoning too. As Allah Almighty asked to ponder in Qur'ān:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

Then do they not reflect upon the Qur'ān, or are there locks upon [their] hearts?[8]

But they set a certain limits and conditions to use reason and do not allow speculations according to Qur'ānic ruling:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

And do not pursue that of which you have no knowledge.[9]

Medieval Muslim theologian Shaikh Ibn Taymiyyah (d. 1328) written noteworthy Tafsīr principles in which he state,

> Interpretations based on personal reasoning are *Haram* (illegal). [10] Moreover there is a consensus in Muslim Ummah that Prophetic narrations in books of Sahīh Bukharī and Sahīh Muslim are absolutely authentic.[11]

But our theologian also admits that there are a lot of fabricated and unauthentic narrations included into our intellectual heritage yet a true scholar differentiates between right and wrong transmissions.[12] He said using logic in presence of revelation can lead us astray like Mutazilites.[13] Another contemporary scholar on Tafsīr principle Shaikh Manna' al-Qaththan says, by following interpretation based on sound transmission (*Tafsīr bi al-Mathūr*) one can save his faith.[14] Following an interpretation based on reason is heretical doctrine.[15] Sayyad Amīr Alī (d.1928) a prominent interpreter of Qur'ān in subcontinent gives his opinion on *Tafsīr bi al-Ra'ay*. He writes present rationalist behave weirdly. They claim to have knowledge of this whole universe but unable to find truth about their own being. [16] On the other hand Moulānā Abu al-Kalām Āzād (d. 1958) takes a balanced stand between modernist and traditional school of thought in his exegesis *Tarjamān al-Qur'ān*. Moulānā Amīn Ahsan Islāhī [17] and Moulānā Taqī Uthmanī[18] in their distinguished work also strengthen the balanced, comprehensive and traditional Tafsīr Principles based on sound transmission and reasoning.

From the lines stated above we can take a glimpse of traditional point of view on Tafsīr Principles. Dr. Burhān Ahmad Fārūqī states his remarks on traditional school of thought,

> "In al-Itqān fī 'Ulūm al-Qur'ān, that is included as a preface in Tafsīr Jalālayin, hundreds of Qur'ānic sciences ('Ulūm al-Qur'ān) are discussed but these sciences cannot solve even a single problem which we are facing today. Because we are trying to understand Qur'ān from wrong direction yet our clergy has no idea about it. [19]

Principles of *Tafsīr bi al-Ra'ay*:

All the Exegetes who do prefer interpretation of Qur'ān by reason and speculation have almost the same stance on this issue which is coming in following lines. Sir Sayyad Ahmad Khān (d.1898) played a leading role as a pioneer exegete of *Tafsīr bi al-Ra'ay* in subcontinent. He did write a booklet on Tafsīr Principles in response to queries of one of his friend and eminent

scholar Nawāb Mohsin al-Mulk (d.1907). Sayyad Ahmad admits that I've received lot of criticism on my commentary of Qur'ān yet my friend queries[20] did compel me to explain my point of view on this very critical issue and make the people understand about my Tafsīr Principles. Further he explains his principles of Tafsīr.

(1)Word of God (revelation/scripture) cannot go against work of God (nature). Religion and science works in harmony and support each other. (2) Religion and dogma should be justified through reason otherwise human are not bound to follow. (3) Admitting whatever comes in scripture that do not proved on scientific grounds is the attitude of ignorant people. (4) There is no abrogation in Qur'ān. (5) To determine the meanings of Qur'ānic word exegete must consider context. (6) There is a strong probability that certain Arabic words of Qur'ān may have other meanings too which has not been discovered by theologian of classical Islamic era. (7) Meaning of Qur'ānic words can be determined from the Arabic *Jahili* (ignorant) poetry. (8) In the presence of *Isrā'ēliyāt* (Jews and Christians Narratives), it is difficult to find authentic stories of Prophets and Messengers (peace be upon them). Major parts of these narrations are irrational. Sir Sayyad further adds, there is no clear text in Qur'ān which endorses birth of Jesus (peace be upon him) without father. In addition to that, Qur'ān does not support the claim that Prophet Yunus (a.s) was swallowed by fish. Qur'ānic word *'iltaqama'* literally mean to grab used in that story. Rest of the story was fabricated by Jews and Christian that must be denied by Muslims. [21] Nawab Mohsin al-Mulk asked Sir Sayyad, you tried your best to justify religion through science but we see science is being advanced. What if science acknowledges the supernatural in some later time which is disapproved today? Sir Sayyad replied then Qur'ān should be interpreted again according to advanced scientific knowledge of that era. My mistakes should be referred to me because it is error of my understanding not Qur'ān.[22] 'Allama Aslam Jirājpūri (d. 1955), advocate of *Tafsīr bi al-Ra'ay,* writes few principles of Tafsīr in preface of Matālib al-Furqān fi Darūs al-Qur'ān, interpretation by Gulām Ahmad Parvaiz. He claims that, principles of Tafsīr followed by Muslims Exegetes are not well established and contains many flaws.

- To him, from traditional methodologies of Tafsīr we can understand meanings of each verse and word separately. As far whole divine message of Qur'ān is concerned, these traditional Tafsīr principles and methodologies proved to be inefficient.
- Prophetic Traditions and transmission of early Islamic era cannot play an important role to understand Qur'ān because a larger part of this literature is fabricated and not authentic. Transmitting chains are not reliable and most of the narrations are taken from Jews literature.
- Purpose and intentions of writing Tafsīr in early era was to get reward (*sawāb*) from Allah, therefore primary Tafsīr literature are pages full of irrational thing which proved to be useless in present time.

- Early interpreters were advocates of the idea of abrogation in Qur'ān. That is why they considered many valid legal injunctions of Qur'ān abrogated. We strongly condemn the idea of abrogation in Qur'ān. To us all legal injunctions and rulings are valid till final day and nobody has authority to abrogate even a single verse of Qur'ān.
- Traditional exegetes quote numerous sayings, ambiguous and contrary to each other to explain single verse and leave the reader confused. It also proved that they are not sure about authenticity of these sayings.
- 'Allamah Aslam Jirājpūri further Adds, traditional exegetes seems more interested in the issues which have no importance in practical life i.e. characteristics of paradise, uniform and formation of Angels in battle of *Baddar* etc. [23]

However Dr. Mahmūd Ahmad Ghāzī (d. 2010) in his series of lectures on Qur'ān said, five principles are established by Rationalist commentator for Qur'ānic interpretation based on reason. Interpretation should be in accordance with Arabic phrase and language. It should be in accordance with Qur'ān and Sunnah. Meaning of word should be derived carefully with reference to context. Interpreters should approve consensus of Muslim *Ummah*. [24]

It can be concluded from lines stated in paragraphs above that there is a great difference in Tafsīr Principles. Based on these principles, interpretations of both schools of thought are different to a large angle with each other. Surprisingly both creeds in their discourse consider the other one deviated from well established right path.

Life and literary contribution of 'Allamah 'Anayat Allah al-Mashraqī:

'Allamah Mashraqī was born on 25th August, 1888 in Amartasar, city of India. His father has a close ties with eminent scholar Sayyad Jamāl al-Din Afghāni. 'Allamah Mashraqī did Master in mathematics with distinction and received his gold medal from Punjab University Lahore. 'Allamah Mashraqī decided to endure his higher studies in England where he continued his achievements in Christ College of Cambridge University. After completing his education he returned to India and served as a vice principal of Islamia College Peshawar. Subsequently he joined British Indian Government and served as undersecretary in Shimla. He also served in education department but on issue of khilafat Movement (1919-1924) 'Allamah Mashraqī criticized government and as a result disposed to lower position. He was also disagreed on migration strategy which result death of many migrants including kids and women.[25] That was a turning point for 'Allamah Mashraqī and he decided to devote his life to uplifting work for Indian Muslims. He manifested his message by words and deeds. He wrote more than 30 books about Tafsīr, Life of Prophet Muhammad (saww), Islamic Ideology, Islamic philosophy and Current affairs, motivational poetry and political framework of his khāksār

Movement.[26] 'Allamah Mashraqī did prefer Pakistan to stay after India partition and supported Pakistan movement. He passed away in 1963 in Lahore.

Introduction of Tafsīr Tazkirah:

'Allamah al-Mashraqī wrote in preface of his exegesis about why, when and how he decided to write down this commentary. According to 'Allamah Mashraqī,

> "When I was studying in England I was not interested in Islam, Muslims affairs or Qur'ān as I was a distinguished scholar of Math and pure sciences. But when I returned back to India in 1913 and stayed six years over here, a rhetorical writings of one cleric enraged me because he was misleading the deprived Muslim nation. I was 32 years old at that time. My prime motive was to write down a brief essay on Muslims Decline. To perform this task as I started to study Qur'ān to collect material for my essay, meanwhile scientific facts which Qur'ān contains caught my attention". [27]

Tafsīr *Tazkirah* is available in three volumes with around three hundred pages in each. However 'Allamah Mashraqī did mention in preface that he completed six volume of this commentary.[28] To have better elucidation, reader of this exegesis must have an idea of political and social situation of Muslims of that era, especially second quarter of 20th century.

Salient features of Tafsīr Tazkirah:

This exegesis does not follow arrangement and order of Qur'ānic chapters (*Surahs*) rather 'Allamah Mashraqī did focus on topics and collected interlinked concerned verses about one theme from different chapters and discussed it under one major topic. 'Allamah Mashraqī recounts his experience and states,

> At first I was reluctant how to understand these multifarious and complicated Qur'ānic ideas but later on I came across one verse and decided to adopt this methodology. 29

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ

so recite what is easy [for you] of the Qur'ān.[30]

In contents of exegesis different topics has been listed i.e. *Touhīd* (Oneness of Creator), Obedience to Prophet Muhammad (saww), philosophy of worship, wisdom of *Salah* , Right Path ,[31] Unity of Muslim Nation, Socialism in Islam, Polytheism, Sectarianism, day of judgment[32] etc.

'Allamah Mashraqī views on fixing the meaning of Qur'ānic words:

'Allamah Mashraqī suggests that,

> To extract perfect meaning from Arabic words of Qur'ān we have no other way but to consult to Qur'ān itself. The only reason of fading the essence of divine message is that we start depending on lexicography's and other external materials to understand the divine Message. Therefore Qur'ānic terminologies i.e. *Īman* (faith), *Shirk*

(partnership/polytheism), *Kufr* (rejection and disbelieving), *Taqwa* (God fearing) are mere words and lost their impression in our lives.[33]

Qur’ān explains itself as it states:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ

And We have sent down to you the Book as clarification for all things[34]

By following his self established principle to explain Qur’ānic words ‘Allamah Mashraqī didn’t mention a single word from Arabic poetry, and Arabic lexicography in his interpretation. ‘Allamah Mashraqī claims,

> “There is no authority of *Ijmā*‘ (Consensus), personal reasoning or opinion, and individual or collective legal ruling (*fatwa*) to interpret Qur’ānic meaning and teaching”.[35]

Surprisingly, to him, exegesis written based on sound transmissions (*Tafsīr bi al-Mathūr*) or reasoning (*Tafsīr bi al-Ra’ay*) both are unacceptable.

Allamah Mashraqī Views on Prophetic Traditions & Sayings:

‘Allamah Mashraqī didn’t use prophetic traditions to explain Qur’ānic verses but at a very few places. ‘Allamah Mashraqī considers documentation of prophetic traditions and transmission as an affliction and hurdle to understand true spirit of Qur’ānic divine message. He further adds

> “Prophetic sayings were bound to certain time and place therefore Messenger of Allah prohibits his companions (r.a) from documentation of his words. With authority of Abu Sa‘eed al-Khudri, Prophet Muhammad (saww) said, Do not write anything from me, whoever has written anything from me other then Qur’ān, let him erase it.”

Moreover he said chains of narrators in prophetic transmission are not authentic. Thus these words cannot be attributed to Messenger of Allah.[36] Not only sayings of prophet but interpretation of Qur’ān was the area considered prohibited by companions (r.a.).” ‘Allamah Mashraqī argues, previous nations of Jews and Christian received wrath from Lord for the same reason because they did exaggeration in Lord Message.[37] ‘Allamah Mashraqī states,

> “Comprehensive understanding of Qur’ānic subjects and consideration is not difficult if we put together all verses for this purpose. These are all surprisingly interlinked to each other”.[38]

To Allamah Mashraqī Qur’ān do not need any external support to establish the meaning of its words. ‘Allamah Mashraqī also didn’t quote *Athār al-Sahābah* literally practices and narrations of Companions (r.a). ‘Allamah Mashraqī did also criticized ‘Ulamā and said, it is unfortunate that our Islamic scholars are not unanimously agreed upon principles and methodologies of Tafsīr.[39]

Absence of Juristic debates in Tafsīr Tazkirah:

‘Allamah Mashraqī interpretation of Qur’ān is free from juristic discussion. For instance while interpreting following verse

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

Zakah expenditures are only for the poor and for the needy and for those employed for it450 and for bringing hearts together [for Islam] and for freeing captives [or slaves] and for those in debt and for the cause of Allah and for the [stranded] traveler – an obligation [imposed] by Allah. And Allah is Knowing and Wise.[40]

Unlike other traditional and non-traditional interpretation 'Allamah Mashraqī didn't mention even a single Prophetic tradition or juristic debate about conventional idea of *Zakah*, neither the necessary criteria of wealth nor mandatory amount of charitable contribution.[41] Moreover 'Allamah Mashraqī takes a different stance on worships. To him *Sajadah* & *Rakū* '(prostration & bending) is not a physical state of worship required from human rather it is state of heart. Above all, it is a state of wholeheartedly submission towards will of God.[42]

'Allamah Mashraqī inclination towards Islamic Political Activism:

It can be observed that central point of this exegesis is renaissance of Muslim Nation and to establish a political Islam. 'Allamah Mashraqī stated in preface of this exegesis, "his early idea was to write a booklet to discuses Muslim decline and solutions to come out from this situation".[43] This notion was overwhelming throughout his interpretation of Holy Qur'ān. It should be kept in Mind he was a political activist and established a freedom movement *Khaksar* in 1931 aiming to advance the condition of people irrespective of any faith, religion or race. [44] He had not received formal theological education from any seminary.

Criticism on traditional Clergy:

Tafsīr Tazkirah is full of hard words pointing towards negative role of traditional clergy who themselves misunderstood message of Islam and misleading naive masses of Muslim Nation. To 'Allamah Mashraqī ,

> Religion of our present clerk is only collection of some rituals including, ablution and bath for purification, counting number of prostrates in prayers, long beard, trousers above ankles, memorization of Qur'ān, celebrating birth of Prophet (saww) and some words to seek refuge from Satan.[45]

'Allamah Mashraqī did express his anger on clergy and states, our Islamic scholars has wasted many centuries in useless conceptual debates like attribution of Heaven and Hell, Angels and Jinn.[46]According to him Qur'ān prohibits this attitude and says:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ

O you who have believed, avoid much [negative] assumption.[47]

Moreover he stress that our present clergy is ignorant, hypocrites, selling the Qur'ān and misguiding the people. With owing to fact that, if they are right then there must be a peace in Muslim world because Qur'ān assures that:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ

They who believe and do not mix their belief with injustice – those will have security, and they are [rightly] guided.[48]

Qur'an guarantee that, to believers we provide security and peaceful atmosphere but we see pagan and idolaters are comparatively in more secure position than Muslims and enjoying prosperity.[49] Here 'Allamah Mashraqī gives a strange statement

> "Muslims themselves are disbelievers (*kafir*) thus receiving wrath and punishments from Allah Almighty whereas disbelievers (*kafir & Mushrik*) are Believers indeed and receiving rewards from Lord under the divine laws of nature".[50]

He further comes with strange opinion that,

> Today Muslims are الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ and evoked Allah Almighty anger. Meanwhile, Europe is blessed, discovering and subjecting the universe through Qur'ānic laws. Allah wants to see nations and human being coalesced and Europeans are united whereas Muslims are scattered, conflicting to each other in the name of religion so Allah Almighty is supporting and helping the Europeans against Muslims.[51]

Further he adds the addressees of following verse are clergy of every age:

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ

And leave those who take their religion as amusement and diversion and whom the worldly life has deluded. But remind with it [i.e., the Qur'ān], lest a soul be given up to destruction for what it earned;[52]

He repeated again and again following verses to strengthen his point of view that our traditional version of Islam is man-made and cannot lead us but to destruction.[53]

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

and you will be superior if you are [true] believers.[54]

'Allamah Mashraqī further quotes following verse:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (**105**) إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ

And We have already written in the book [of Psalms] after the [previous] mention847 that the land [of Paradise] is inherited by My righteous servants. 105. Indeed, in this [Qur'ān] is notification for a worshipping people.[55]

'Allamah Mashraqī writes that today we have so many *Masajid* (places for worship) but Muslim nation is not being inherited Political hegemony in the world. On the other hand Allah Almighty says about disbelievers:

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ

And as for those who disbelieved, I will punish them with a severe punishment in this world and the Hereafter, and they will have no helpers."[56]

Our exegete, 'Allamah Mashraqī said today's disbelievers are enjoying all kind of bounties in this world. It does mean that we have to redefine the exact meaning of disbeliever.[57] Most probably in the eye of Allah Almighty, we the so-called Muslims are disbelievers indeed. 'Allamah Mashraqī also expresses his opinion that Muslims are not supposed to receive bounties, rewards and blessings in hereafter only but in this world too. We must seek and desire worldly pleasure as much as spiritually.

A strong voice to unity of Muslim Ummah and anti- sectarianism:

'Allamah Mashraqī again and again stress on importance of Unity among Muslim Ummah. To him Unity is the only key for Islamic revival. Supremacy of Islam and Muslims on International level is the only way to liberate and unburden deprived human being from exploitation by fellow beings. Our Īman will bear fruits only when Muslims are all united.

He strongly condemned and criticized 'Ulama for tearing Muslim Ummah into pieces in the name of sects.[58] He further adds,

> True divine message of Islam is invisible to our mainstream clergy because they are engaged in grammatical debates, unauthentic stories and trying to understand verses without context. Therefore common man is disappointed from their vision and version of Islam.[59]

Religious Pluralistic Approach of 'Allamah Mashraqī:

'Allamah Mashraqī takes a very bold stance in this regard and considers all religions from same origin. He states,

> Indeed Islam is not to follow Muhammad (saww) but the law which revealed to him. And the same law revealed in Torah, Psalms, Gospels, Sutras, Vedas, Zend-Avesta and all other sacred texts.[60]

'Allamah Mashraqī used to write 'peace and blessing be upon' with Gautama Buddha (d.544 BCE) and Baba Guru Nanak (d.1539) names. Hitherto, Mashraqī also said today only Qur'ān is the book which can save mankind from crises.[61]

'Allamah Mashraqī criticism on western approach towards social sciences:

A reader can perceive that besides praising west for its advancement in scientific knowledge 'Allamah Mashraqī severely criticized for western approach towards social ideologies and philosophies. 'Allamah states,

> "That is the ground where West fails. Human beings are not made of matter and should not be studied as a discipline of natural sciences. That is why spirituality lost its threads in Western societies and social values. Without spirituality West is aggressive and wild which ultimate bring rest of the world into trouble. West wants to enslave entire human beings. The concept of separation of church and state would be proved fatal for European nations. It is the time for West to give importance to Words of God (revelation) as much as to Work of God (scientific knowledge)".[62]

Tazkirah advocacy for scientific knowledge:

As we stated earlier 'Allamah Mashraqī was a mathematician and scientist therefore he discussed theory of evolution, Biology, Anthropology, Geology and Astrology in details. He certified that theory of evolution is not against Qur'ānic concept of creation. There are different phases of human evolution. It is not as simple as described in Islamic literature "Adam were made from clay and Lord breathed into him". 'Allamah Mashraqī seemed to make mockery of Islamic scholars who do believe in this idea of human creation. He said these ignorant Muslims Scholars are denying theory of evolution because they have not a subtle idea of science.[63] Moreover, to him, knowledge can be attained only by scientific methodology as described by English philosopher Francis Bacon (d.1626). [64]

Conclusion:

In the presence of all academic discourse taken into consideration in above paragraphs, it can be stated very carefully, message of Qur'ān is universal and free from time and space. Qur'an has always new meaning to offer to generation of all ages. Qur'ānic thinkers of all ages tried their best to supersede emerging contemporary philosophies by Qur'ānic ideology. Rather they were Mu'tazilah or other Islamic rational theologian. The miracle of Qur'ān is indeed a challenge to all ideologies in terms of text and meaning. In present time, it has been observed, conventional thinkers occasionally seem to be answerless to question posed by contemporary scientific minds. To address these minds rational interpretation of certain Qur'ānic verses is the utmost need of time. Hitherto, the problem raise when these rational thinkers go beyond some boundaries and try to redesign well established systematic way of worship and other dogmas. Our worthy thinker and political activist 'Allamah 'Anayat Allah Mashraqī brought a new revolutionary dimension and aspects of Qur'ānic teaching of political Islam. 'Allamah Mashraqī was a great revolutionist of his age and has a crystal clear vision of Islamic hegemony and supremacy. Tazkirah is a roadmap to regain lost dignity and self respect of Muslim Ummah based on Qur'ānic political manifesto. To him reason behind suffering of Muslim nation is wrong interpretation and misunderstood message of Qur'ān by traditional clergy. We can comprehend 'Allamah Mashraqī approach by putting his all articles and discourse side by side. His message cannot be understood unless reader has plenty of knowledge about political scenario of that era in which 'Allamah Mashraqī lived and Tazkirah was written. His interpretation of verses about Touhīd has no match to other contemporary exegesis of that time. But on the other side 'Allamah Mashraqī neglected the very important part of Prophetic Traditions, Ccompanions Reports, and centuries old intellectual heritage. There is a need to filter and refine his thoughts. His outstanding understanding of political Islam cannot be ignored just on the base of his views about well proved systematic way of worships. His denunciation and adverse opinions with grating language towards Mainstream Islamic clergy should not halt us to

derive what is good in his thinking and writings. That is why, it seems inappropriate to endorse this exegesis to readers at beginning level. Traveling to Europe and studying there is a major factor which shaped his enthusiastic and revolutionary ideology. That is not the only case with 'Allamah Mashraqī but other intellectual of that era like Sayyad Ahmad Khān and 'Allamah Muhammad Iqbal (d.1938) reacted in the same way. Both the scholars didn't leave any stone unturned to wake Muslim Ummah by words and actions. With owing to the fact that, 'Allamah Mashraqī has not received religious education and was not certified theologian from any traditional seminary. Therefore we see, he had not a good command on Islamic Jurisprudence, Hadith Sciences and other technical issues of Islamic theology, as demanded in that time. His all understanding was based on his personal effort to fathom Qur'ān. Furthermore, as 'Allamah Mashraqī noted in preface, "My intention was to write down brief account of Muslim decline which turned into Tafsīr". Notwithstanding, a reviewer can notice his prime intention is overwhelming throughout his Tafsīr. Based on contents, Tazkirah can still be classified and considered as an account of Muslim decline and manifesto to regain Muslim Political supremacy, other than Tafsīr. Anyhow Tafsīr Tazkirah is a valuable addition in *Tafsīr bi al-Ra'ay* literature. 'Allamah 'Anayat Allah Mashraqī would be remembered for his intellectual contribution and revolutionary personality. (And our duty is but plain conveyance and Allah knows the best)

References

[1] House of Hillel and Shammai is well established theological school of thought in Judaism.
Christianity is divided into Eastern Orthodoxy, Catholicism, Anglicanism, Protestantism and many more.

[2] Qur'ān, Sūrah al-Nahal, 16:44
Note: English Translation by Umm Muhammad, Sahīh International, (Saudi Arabia: Al-Muntada Al-Islamī, 2004)

[3] Tahir bin Muhammad, al-Tabsīr fī al-Dīn wa tamīz al-Firqa al-Najiya 'an Firq al-Halikīn, (Lebanon: 'Alam al-Kutub, 1998) p.45

[4] Muhammad Habīb Allah Qādi written his Ph.D thesis titled "An analysis of Tafsīr Literature and Qur'ānic understanding in Subcontinent" and awarded Doctorate Degree from Peshawar University in 2005. 'Ubaid al-Rahmān Mohsin wrote his thesis "Principles of Tafsīr in subcontinent and its impact" and awarded doctorate degree from Punjab University Lahore in 2013.

[5]Associate Professor, Dept. of Qur'ān and Tafsīr, 'Allama Iqbal Open University, Islamabad

[6] Professor, Dept. of Islamic studies, University of the Punjab, LHR
[7] Nadvī , Faisal Ahmad, Tafsīr and Usūl al-Tafsīr,(Luckhnow, Idarah Ahya’ay ‘Elm wa Da‘wat, 2016) p. 216-217
[8] Qur’ān, Sūrah Muhammad, 47:24
[9] Qur’ān, Sūrah al-Isrā, 17:36
See also Qur’ān, Sūrah al-A‘rāf, 7:33 “and that you say about Allah that which you do not know."
[10] Ibn Taymiyyah, Muqadamah Usūl al-Tafsīr /translation by Abd al-Razzāq Malihabādai (Lahore: al-Maktabah Al- Salfiah, n.d) p. 65
[11] Ibid., p.36
[12] Ibid., p. 30
[13] Ibid., p.51
Mutazilites: A rationalist school of Islamic theology flourished in 8th and 9th century disapproved by mainstream Islamic theologian.
[14] Manna‘ al- Qaththan, Mabahith fī ‘Ulūm al-Qur’ān / translation by Abdullah Sarwer (Lahore: Maktabah Muhammdiah,2016), p.449
[15] Ibid., p.453
[16] Amīr Alī, Sayyad, Mawāhib al-Rahmān, (Luckhnow: Maktabah Munshi Nawal Kashūr, n.d) v.1 p.13
[17] Islahī, Amīn Ahsan, Mabādai Tadabbur al-Qur’ān , (Lahore: Anjuman Khuddam al- Qur’ān , n.d), p. 169-198
[18] Taqī Uthmanī, ‘Ulūm al-Qur’ān aur Usūl al-Tafsīr, (Karachi: Maktabah Dar al-‘Ulum, 1396 H.) p. 228,345,419,432
[19] Burhān Ahmad, Dr, Qur’ān or Musalmāno ke Zinda Masā’il , (Lahore: Services Book Club, 1996) p. 42
[20] Nawab Mohsin al-Mulk criticized Sir Sayyad and said your understanding of Qur’ān need to be revised because it is out of context. You made Religion subject to scientific knowledge. Science even does not acknowledge revelation as a source of knowledge. Concept of Prophet Hood, hereafter, Hell and Heaven has no place in science.
[21] Sayyad Ahmad, sir, Tafsīr al-Qur’ān wa Huwa al-Huda wa al-Furqān,(Lahore, Rifah-e-‘Āam Press, n.d) p. 6-26
[22] Ibid., p. 35
[23] Pervaiz, Ghulām Ahmad, Matālib al-Furqān fi Darūs al-Qur’ān, (Lahore: Idara Talū ‘ Islam, 2003) p. 25
battle of *Baddar:* First Battle between Muslims and Pagans 624 CE
[24] Ghazī, Mahmūd Ahmad, Muhazrāt-e-Qur’ān (Lahore: al-Faisal Nāshran, 2009) p. 243
[25] Al-Mashraqi, Anayat Allah, Tazkirah, (Lahore: Tazkirah Publicationers, 1998), v.3, p.12-19
[26] Ibid., p.8
[27] Tazkirah, (Lahore: Idarah al-Isha‘ah Tazkirah, 1964), v.2, p. D (ض)

[28] Ibid., p. z (ظ)
[29] Ibid., p. z (ظ)
[30] Qur'ān, Sūrah al-Muzammil, 73:20
[31]Tazkirah, Contents of Volume 1
[32] Tazkirah, Contents of volume 2,
[33] Tazkirah, v.1, p. 91-92
[34] Qur'ān, Sūrah al-Nahal, 16:89
[35] Tazkirah, v.1, p. 47
[36] Ibid., p.73
[37] Tazkirah v.2, p. 94-98
[38] Ibid., v.1, p. 90
[39] Ibid., p. 53
[40] Qur'ān, Sūrah al-Taubah, 9:60
[41] Tazkirah, v.2, p.115
[42] Tazkirah, v.1, p.107
[43] Tazkirah, v.2, p. D (ض)
[44] Al-Mashraqi, Anayat Allah, Tazkirah, (Lahore: Tazkirah Publicationers, 1998), v.3, p.19
[45] Tazkirah, v.2, p.210
[46] Tazkirah, v.1, p.75
[47] Qur'ān, Sūrah al-Hujurāt, 49:12
[48] Qur'ān, Sūrah al-An'ām, 6:82
[49] Tazkirah, v.2, p.216
[50] Ibid., p.218
[51] Tazkirah, v.2, p.258
[52] Qur'ān, Sūrah al-An'ām, 6:70
[53] Tazkirah, v.2, p.214-215
[54] Qur'ān, Sūrah Al-Imran,3:139
[55] Qur'ān, Sūrah Al-Anbiya',21:105
[56] Qur'ān, Sūrah Al-'Imrān,3:56
[57] Tazkirah, v.2, p.214-215
[58] Tazkirah, v.1, p.53
[59] Ibid., p.55
[60] Ibid., p.62
[61] Ibid., p.17,32
[62] Ibid., p.31-33
[63] Ibid., p.11
[64] Ibid., p.83

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

An Analysis of the contemporary Western academic works in the genre of Qur'ānic Studies: A case study of "Encyclopaedia of the Qur'ān"

Dr. Iffat Batool
Lecturer, Faculty of Usuluddin (Islamic Studies), Department of Tafseer, IIU, Islamabad

Abstract

An extensive body of literature produced by the contemporary Western academia is an indication of their grave interest in the field of Qur'ānic studies. What increases its significance is the writings of the western scholars that underscore the element of objectivity and impartiality in the recent western academic works on the Qur'ān. Moreover, the participation of some Muslim scholars in the western academia is also highlighted by western thinkers to ensure the objectivity of western Qur'ānic scholarship. More specifically, with the publication of 'Encyclopaedia of the Qur'ān by Brill' the western academia seems to assign these elements to this work vigorously. Being the foremost work of its nature, 'Encyclopaedia of the Qur'ān' has attracted the academicians from across the world yet, with multiple receptions. The present study aims at locating the status of this work in the recent Western scholarship and its contribution towards the subject of Qur'ānic Studies. Through a critical analysis of articles, various features of this work are highlighted.

This work concludes that although Encyclopaedia of the Qur'ān presents wide-ranging and extensive study, yet, it lacks a perfect, rigorous and thorough scholarship of the Qur'ān. Besides, this work argues that because of the marginal contribution of Muslim researchers, the majority conclusions of this anthology are in contrast to the traditional Muslim standpoint.

Key words:Qur'ān, orientalism, academic, objectivity, encyclopaedia

Introduction

Al Qur'ān, being the nucleus of the Muslim world, has been a primary object of vigilant study throughout the Islamic history. From medieval times to the modern and postmodern era, the Western scholars too, have exercised their extreme efforts in the field of Qur'ānic Studies. The history of Western studies of the Qur'ān reveals the fact that it has been directed, `by and large, by polemic motifs as indicated by many of the Muslim and non- Muslim scholars alike.[1]

The classical polemical works Christian writers, had lingering effects in two folds. On the one hand, it influenced the entire corpus of the Western studies of Islam. While, on the other side, it has influenced the Muslim thought in a way that mostly they reject the Western academic scholarship setting it in the same old prototype of old polemic tradition. The Muslim scholars view, that despite the claims of scientific approaches and neutrality, the Western scholars present Islam with their own lens[2], the fact that is acknowledged by recent Western writers.[3]

Consequently, it could not gain appreciation and veneration among Muslim societies. It is disapproved vigorously by majority of Muslim scholars.[4]

The fact that the early western studies mostly distorted the image of Islam is observed by many non-Muslim scholars too. It is observed that for many centuries the common image of Islam in the West was based entirely on the distorted reports of fanatical Christians. What was good in Muhammad was entirely ignored and what was not good, in their eyes, was exaggerated.[5]

Another reason behind Muslims reaction is the disparaging attitude of the western authorities towards Muslim scholarship. Abdul Rauf articulates in this regard that they often try to belittle the status of long tradition of Muslim scholarship by applying the terms 'objective', 'scientific' and 'scholarly' to their works only. Moreover, they approach the Muslim works with a skeptical eye and criticism.[6]

With this scenario, many attempts are made by the western thinkers to defend the Western Qur'ānic scholarship and to present it in a new transformed nature. Andrew Rippin, very skillfully, notices the hostile responses to the western Qur'ānic scholarship and describes the causes saying that the general reception of the western scholarship of the Qur'an is based on some negative events in the past.[7]

More significantly, with the publication of EQ, efforts are made to present this work as objective and scientific produced by the joint efforts of non-Muslims and Muslims alike. The back cover of the EQ also describes, rather ambiguously: "hundreds of scholars, both Muslim and non-Muslim, have collaborated in the creation of this work". Moreover, it is declared to be a scholarly, intellectual, scientific work.[8]

It was decided, says the general editor Jane McAuliffe, to create a balanced and cohesive reference work in the field of Qur'ānic Studies and to

generate a work that would be not only the century's great achievement, but, a leading source for the academicians in approaching times too.[9]

Keeping this in view, the present author intends to trace the said elements in Encyclopaedia of the Qur'ān by a close statistical and textual examination of its data. Hence, the core question of this article is as following:

> Does the Encyclopaedia of the Qur'ān offer an erudite, academic, self-sufficient and rigorous scholarship of the Qur'ān following the basic principles of research methodology and hence represent an evolution in the Western thought concerning the Qur'ān?

The Encyclopeadia of the Qur'ān

After the publication of 'The encyclopedia of Islam', Encyclopaedia of the Qur'ān is the second work that is compiled after a long and ambitious effort of 13 years. It stands as the only reference work on the Qur'ān in English. If the encyclopedia of Islam' is considered by the West to be a marvelous accomplishment of the 20th century, the Encyclopaedia of the Qur'ān, undoubtedly, is counted as an excellent and remarkable success of 21st century in the western intellectual circles. By looking upon the response to first work, Encyclopaedia of the Qur'ān is designed to be more 'academic' and 'scientific' in approach and style. It is an extensive project related to Qur'ān and Qur'ānic studies. It is enormous and massive having almost 2919 pages in five volumes with an additional index volume of 860 pages. The back cover claims it to be the first multi- volume reference work on Qur'ān with nearly 1000 entries. The pronouncement of the participation of hundreds of scholars from both Muslims and non- Muslims illustrates that the plurality of perspectives abounds in EQ. It combines alphabetically arranged articles about the contents and themes of the Qur'ān that lie within the arena of Qur'ānic studies. By means of first source in the western languages regarding Qur'ān, this Encyclopaedia became an indispensable tool for academics. Frequent references to this work in the recent academic treatises indicate its grave significance for the researchers.

Number of entries

By having a glimpse on the claims and actual numbers of the entries and contributors, one can realize that there is a variance in actual numbers and the number claimed. On the back cover of the EQ, it is stated that it comprises almost 1000 entries. Brill's website also illustrates the same. But the fact is that there are 694 essays in total.

The editor, exploring the reaction of the Muslim world, states delightfully that very few Muslims opposed the plan while majority welcomed this project and hundreds of scholars from both Muslims and non-Muslims have contributed in the formation of the EQ. While when counted; Muslims partaking is roughly seventeen percent in comparison to the entire number .To elaborate further, it is be observed that almost 278 contributors have written

in the EQ. Among them Muslim authors are 50 and overall number of their entries is 111 out of 694. This demonstrates that among the entire material of the EQ, the data coming from Muslim pen is only almost fifteen percent.

Another worth mentioning point is that the participation of the Muslim scholars with regard to the subject matter is peripheral and marginal. While browsing the pages of the EQ, one can realize that the issues of actual importance have been dealt by non-Muslim scholars. For instance none of the essential issues such as related to essential creeds have been inscribed by Muslim pen. In contrast, all significant matters regarding the origin, authorship, compilation and history of the Qur'ān are written by non-Muslims. Muslim scholars dealt the secondary topics such as sand, Samson and the people of the Elephant and Najrān.

It is generally observed by Muslim scholars that the most of the material is produced by the pen of the specific writers having particular perspectives and approaches regarding the Qur'ān. They also opine that even among the Muslim writers, there are some who seem to be strongly influenced by the approaches of Orientalists in their treatment of the Qur'ān as human production and not the sacred text as traditional orthodoxy believes. So there personalities are controversial and generally a question mark is put on the legitimacy of their writings such as Muhammad Arkoun and Nasr Hamid Abu Zaid. The stance might be true with regard to some specific persons but there are some other scholars as well who have a good fame in Muslim circles such as Mustansir Mir and Abdullah Saeed. However, it is a fact that these scholars, as well, are not provided the chance to present their research on the fundamental Islamic issues.

A brief look on EQ material, methodology and sources

1. The articles begin, in majority cases, with a general introduction to the topic, term and concepts with the mention of the number of times it occurs in the Qur'ān followed by establishing its roots. The entries also review the grammatical position of the terminology. Synonyms of the term in the Qur'ān and related ideas are introduced as well. This style has given a uniformity and consistency to the entire EQ. Moreover, illustrations are made to various places in which the term is used with an allusion to implication of expression in that context. In most of the entries, on can notice that a brief, yet inclusive comprehensive, background is given in order to familiarize the general readers to the notion. Thus, the writers effectively attempted to elaborate the Qur'ānic notions or concepts. The length of the articles varies

to great extent. Some articles are of few lines though they are of much importance and required expansion.

2. While defining the meanings, importance is given to classical Muslim writers with the indication of difference of opinion. Views of all sects are cited in controversial issues. Plenty of space is given to modern Muslim writers as well. In a sense the EQ can be considered a moderate anthology of classical and modern works of Muslim scholarship.
3. There are certain entries that fulfill the demand of a scholarly research. A comprehensive and thorough examination of the works of classical Muslim and non- Muslim authors along with their biographies is included. Minor details about these works are provided in comparison to other authors. It truly appears that they have exerted pains in data collection.
4. A very manifest specialty of the EQ is its assertive stance towards modern research of Qur'ān and objectivity. The term 'modern' is elucidated by dispassionate and non- polemical study of the Qur'ān.[10] Moreover, it is defined as the treatment of the Qur'ān separately from the Muslim tradition.[11]Majority of the writers are observed fulfilling this very criterion of the modern examination as they mostly attempted to base their independent research separate from the Islamic tradition.
5. A strong writing usually evaluates other alternative and prevailing arguments too with regard to the specific issue. The mention of the opposing arguments in the entries has increased the worth of writings. But, more often, a favorable tendency towards opposing opinions to mainstream Islam can be witnessed.
6. An in-depth, thorough and systematic introduction of the history of the Qur'ānic Studies in the West is provided with a blend of appreciative and critical tones in various entries. The detailed evaluation of the works of key western brains is conducted with the mention of their achievements, flaws, and consequences. For instance, in conducting the evaluation of the writings of Noldeke, the writer criticizes him for his view point about the literary style of the Qur'ān which is similar to that of Thomas Carlyle, who considered it a wearisome of confused jumble. In comparison to that, the writer continues, the modern study has considered the beauty of this Book and acknowledged the Qur'ān as highly artful literature.[12] Many of the writers have offered proposals for

future studies as well. An overview of the works of Classical and Modern Muslim scholarship are provided alike.

7. Various authors use piercing phrases and expressions for Islamic traditional historical records and base their works heavily on the western sources only. Specifically, the entries that raise the slogan of borrowing theme and the uncertainty of Islamic sources announce assertively Islamic notion nothing but a replica of biblical sources. Most of the writers tried to find out the origins of the Qur'ānic terminology either in Christianity or Judaism. Some others found out the roots in Zoroastrianism too.[13] Azami says that it is both assuming and aggravating that how determined orientalists are to credit other cultures for each and every achievement of Islam- even something as simple as the separating one verse from next with a dot.[14]
8. Numerous references can be located around a specific terminology in several areas. For instance if one is interested to accumulate material about the history of the Qur'ānic text, he can find references in the related issues such as multiple readings and codices as well.
9. As, it is clear that the core of the research is the Qur'ān, it would have been be better to consult primarily the Muslim sources. In cases, where they are cited, the core conclusions are based upon the modern western research. There are entries in which complete negligence of primary Muslim sources e.g. dictionaries and commentaries can be observed.[15]
10. Furthermore, a western scholar and contributor to the EQ, Rippin, describing the features of EQ articulates that the common characteristic of all such works is that it takes its subject seriously and leaves its readers to draw their own conclusions as to whether (or to what extent) the Qur'ān is a work which will be life motivating to the individual.[16] With regard to this facet of the EQ, the views of the present researcher are quite contrary to this. Most of the articles is the treatment of the Qur'ānic notions with vague, uncertain and doubtful expressions. One can discover immensely wording such as 'perhaps', 'it is not clear' it is highly probable' 'it's problematic', 'it remains doubtful' and likewise. It is quite understood that the use of skeptical language put question marks on the competency of the writer and raise doubts concerning his academic experience and skills.

In this regard, a well-known Muslim scholar, while

discussing the work of Orientalist s and their works, declares those works as speculative. He further elaborates the point by saying that they base their writings and researches on scrapes, clues, inferences and guesswork that are never satisfactory in academic works.[17]One cannot initially identify the nature of this skepticism. As it might be a collective choice of the writers to articulate the like expressions or it can be an innate upshot of the milieu in which the western academy has flourished.

In this regard, it seems that most of the writers are amateur in dealing the Muslim history and the Qur'ānic text as they present frequently these sources as problematic, complicated, ambiguous and confusing.

In the entry, enjoining good and forbidding bad, the writer states:

"*Just what is intended in the relevant Qur'ānic passages is somewhat unclear*…we are not told to whom the commanding and forbidding are to be addressed and there are no further specifications of the right and wrong to which they are related".[18]

The writer of "Illiteracy" finds confusion and uncertainty in the Qur'ān. In his discussion of the plausibility of Prophet's literacy he insists that this issue cannot be established on historical- biographical and Qur'ānic evidences as they are equivocal and unclear.[19] Further, he continues "The core meaning, as well as the *actual etymology of Ummi is problematic*"[20].

While defining the meaning of seven letters (Ahruf), the author after quoting some traditions ending to the Prophet, writes that *we are not sure* that Muhammad ever uttered such a declaration, but what interests us here is the point that these traditions were one way to show the conviction that the Qur'ān contains knowledge of all things.[21]

11. Classical Muslim scholarship is cited frequently by way of a demand for scholarly writing, but, it is not given a due status in the sense that in various locales, judgmental remarks are passed regarding traditional Islamic scholarship. It seems that most of the writers have a unanimous approach regarding the role of Muslim exegetes in history. It is declared that the exegetes, out of their desires and longings, were busy inventing legends and making laws to reinforce some specific ideas and readings. While discussing the signs of the last Day, the writer asserts that

later Islamic literary genres *added* other signs to the previous ones.[22]

Nevertheless, it can be witnessed that, very frequently, the impression of evolutionary process in Islamic creeds is reinforced. For instance, while discussing the idea of Houris and their connection to Jihad, the writer declares that as early as the first part of second/eighth century, the promise of Paradise virgins was *connected* to the motivation for holy war".[23]

Even in the material regarding God, the writer could not refrain from declaring that Prophet Muhammad's vision of god was intertwined with the legends that have been *developed* around his nocturnal journey". [24]

At another point, Islamic scholarship is considered liable for developing a negative approach towards non-Muslim and the people of the book. The writer updates his readers that the Qur'ān does not show a negative behavior towards the People of the Book. *However, it is the later exegetical literature that has formed the lenses* through which the Qur'ān is viewed. In the exegetical literature, according to him, the Muslims encouraged for a reading of the Qur'ān that can support an antagonistic attitudes towards people of the Book and non-Muslims.[25]

The writer of "illiteracy" confirms the same image of the Muslim scholarship and declares that the traditional interpretation of Ummi focuses simply on illiteracy. Rather, this interpretation reflects a *post-Qur'ānic approach* that seems to have evolved in some circles of the Muslim learning not before the first half of the second/eighth century and that has been further shaped under the influence of the Muslim apologists.[26]

12. In many articles, Islamic notions are presented as a product of a gradual development either in Prophet's mind or after him. The role of later generations, particularly exegetes, is determined in this regard as well. This thought is not new as many Orientalists and Isalmists have dealt Islamic concepts with this approach.

In the course of his discussion regarding the notion of God, the writer Isaac Hasson has presented the Prophet as mastermind of the idea in ascribing the title Abdullah to God. He also considers the idea as a gradual product of his mind. The writer says:

"The explicit message of god's oneness, the core of Islamic monotheism, however, increasingly became the focus as the Qur'ānic proclamation progressed throughout Muhammad's Prophetic career".[27]

In another place the same is reiterated. The belief in the last Day of

Judgment and its characteristics are considered a production of evolutionary process in Prophet Muhammad's mind. It is assumed that Prophet, at the beginning of his career tried to convince the audience by the idea of resurrection and later by considering their reactions he added the idea of the Day of Judgment. The ideas of French Orientalists Paul Casanova regarding the abundance of Qur'ānic references to the Last Day and its impact on the Prophet[28] are not only narrated but given an important position without mentioning the fact that Casanova's ideas were rejected even by his own contemporaries.[29]

13. The western academia, from modern times till now, has established a consensus upon some basic notions regarding Islam. A complete harmony and unanimity in academic works regarding some very core issues of Islam can be perceived. Those issues are the authorship of the Qur'ān, probability of Islamic sources, and compilation of the Qur'ān etc. The EQ, as declared by academia, is an academic and independent work. But, by its heavy dependency on the western sources in deriving the conclusions, it could not prove itself to be a breakthrough in the Western scholarship of the Qur'ān. Numerous reflections of following the stereotypes can be traced with favorable considerations.
14. In some entries, an independent research is conducted without the mention of the earlier western works. For instance, in the article "Alexander"[30]even a slightest indication towards Noldeke's view is missing who was of the conviction that the Prophet Muhammad must have heard this story along with other biblical material as they were famous in Makkah. [31]
15. Almost every article in the EQ contains a long list of primary and secondary sources. They are of two kinds. The first kind comprises of the classical and contemporary Muslim sources of diverse nature such as exegetical works, Sīra literature, historical accounts etc. This truly seems a step forward towards understanding Islam and its holy book as its adherents do in the light of Islamic sources. Moreover, being an encyclopedia of the Qur'ān it was a need of scholarly work to base the work on the Muslim sources as well. But, it is observed that the usage of various types of scholarly works having divergent nature of weak or authentic has created a kind of confusion and contradictions .Ultimately, this has led the writers , sometimes, to the claim of inconsistencies and discrepancies in Muslim accounts. Moreover, it has directed the authors to use the skeptical words regarding Muslim accounts. [32] It is also noted that there are certain entries that are of very basic nature concerning the

Qur'ān but are based entirely on the western sources without a single mention of the Muslim accounts.[33]

16. Moreover, it seems that the old tendency of 'we know better' is still working in the western academia as in the discourses of Qur'ānic sciences, identical illustrations are found. On contrary, the writers, in general, have adopted a complimentary position in respect to the western scholars. Their works are frequently declared as 'outstanding', classics and systematic. Furthermore, a dearth of rigorous and academic scholarship is visible in these entries with regard to the generalization, accuracy of the citation, precision of interpretation and internal inconsistencies.
17. With regard to the primary issues of Qur'ānic Studies such as collection of the Qur'ān, mostly, the writers showed a unanimous approach by expressing their doubts about the Muslim tradition. With slight differences in the approaches, the writers agreed to reject the collection reports of the Muslim accounts. It is stated manifestly that the reports are nothing except forgery. It seems that these scholars have contented themselves with the established western notion about the uncertain nature of the Muslim accounts.[34] This methodology appears to be a polite way of rejecting the authenticity of the Islamic historical accounts. The EQ's depiction of the Muslim sources also misleads the reader towards the idea that there are no well-established Muslim works that can be taken into consideration.

Conclusion

The project of encyclopaedia of the Qur'ān was initiated with the desire to producing a collaborative work of both the Muslims and non- Muslims. In order to produce a cohesive work, some of the essential features were set to incorporate in the pages of this compendium. The most important among them are 'plurality of perspectives', 'academic' and 'rigorous'. As far as the presentation of the topic in academic style is concerned, a close scrutiny demonstrates that writers successfully arranged their material and presented their works basing on a variety of sources. Yet, with regard to the conclusions, the findings of the western intellectuals are given precedence.[35]

In addition, according to the statistical survey of the indices, the Muslim contribution does not appear to be an outstanding feature of the EQ in comparison to the non- Muslim involvement. Besides, it does not stand in conformation to the slogan of participation of hundreds of Muslim scholars in the formation of this work.

Moreover, the recourse to the Muslim sources is also a positive step. However, the claim of drawing the Qur'ānic research on the rich Muslim

intellectual legacy stands in stark contrast as it is limited to the mere mention of the Muslim opinions in many articles. In numerous entries, the Muslim historical sources are interpreted as problematic and uncertain and therefore the conclusions are based on western views.

To position the Muslim scholars in a hierarchal state seems to be the continuation of the previous ideas with the stance that the Muslim scholarship always worked for some specific interests and had read the texts in that scenario.[36]In this way, a sign of disapproval for the classical Muslim scholars can be very manifestly observed on the behalf of the managing team.

In the discourses of the EQ, an echo of the necessity of re-reading of the Qur'ān with the reinforcement of freedom and liberty in dogmatic premises can be heard. Hence, a need to re-reading of the text is quite essential according to the EQ. In this regard, the majority of the writers show a convivial stance for fresh approaches in the reinterpretation of the Qur'ān. In this regard, the EQ reinforces modern stance towards reinterpretation of the Qur'ān that believes the text as dynamic rather static. Hence, it is believed that it should be reformed and meanings should be reconstructed by the community that deals with it. In addition, it is supposed that humans, in each era, have responded to this text in a way that accorded that period. Likewise, this is true for recent day scholar who should not confuse scholarly activities with religious dogmas.[37]

The discipline of Qur'ānic studies is presented as static and taboo subject that needs a great deal of reformation. The field is declared to be occupied by some particular authorities who, out of their desire of control, do not allow others to reinterpret the Qur'ān. Therefore, according to the EQ, the discipline of Qur'ānic studies cannot flourish unless it frees itself from the constraints of traditional approaches and styles.

References

[1] Clinton Benner, "New Directions". In Clinton Bennet, ed. The Bloomsbury companion to the Islamic studies (Bloomsbury: New York. 2013), 260. Andrew Rippin, "Western scholarship and the Qur'ān", The Cambridge ,236. There are countless writers who illustrated to this fact such as Norman Denial, Edward Said, Angelika Neuwirth and others.

[2] See for instance the works of A. L. Tibavi and Pervaiz Manzur under the caption of "English speaking Orientalist s " and Method against truth:Orientalism and Quranic Studies. Muslim World Book Review 7 (IV) respectively in this regard.

[3] See for instance. Buland Senay, "Another Introduction to Islam: The Myth

of Value-free Study of Religion." The American Journal of Islamic Social Sciences 15, no. 2, 83-92. 2

[4] See for instance: Ali bin Ibrāhim Namla, Al. Ishāmatul Musteshreqin Fi Nathr Et Turāth Al 'Arabīā (Riyadh: Maktabatul Malik Fahad al Wataniyya, 1996), 15

Ibrahim, Ishāmāt. 15. See also: Adnan, Wazzan. Alisteshrāq waal musteshreqūn, Introduction.

[5]Sale, The Koran, vii

[6] Muhammad Abdul-Rauf, "Outsider's interpretation of Islam: A Muslim's point of view". In Martin, Richard C., ed. Approaches to Islam in Religious Studies (Oxford: One World. 2006), 185

[7] Rippin, Andrew. 2012. The Reception of Euro-American Scholarship on the Qur'an and tafsīr: An overview. Journal 0f Qur'anic Studies 14 (1):1-8.

[8]Arkoun, Muhammad. 2009. Islam: To reform or to subvert? 1st ed. New Delhi: Viva Books. 90

[9] EQ, vol, 1. iii

[10] EQ vol, 4. 187.

[11] EQ, vol, 4. 194

[12] EQ, vol, 4. 194

[13] EQ, vol, 3. 456

[14] A'zami, Mustufa. The history of the Qur'ānic text, from revelation to compilation. England: Islamic Academy.

[15]Book , asceticism, Peace

[16] Rippin, Andrew. 2001. The Qur'an and its Interpretive Tradition. Great Britain: Ashgate.

[17]Tibavi, English speaking, 19.

[18] EQ, vol, 5. 436.

[19] EQ, vol, 3. 492.

[20] EQ, vol, 3. 493

[21] EQ, vol, 5. 321.

[22]EQ, vol, 4. 138.

[23]EQ, vol, 3. 457.

[24]EQ, vol, 3. 324.

[25]EQ, vol, 4. 416.

[26] EQ, vol, 3. 499.

[27] EQ, vol, 3. 328.

[28] Casanova is famous for his views of the last Day of Judgment that he presented in his work under the title " Mohammed et la fin du monde (Paris,

1911-24). He was of the opinion that there is abundance of Qur'ānic material regarding the Last Day. The plenty of references to this theme had led the Prophet to conclude the close end of this world. He announced that the Last Hour will come in his life, but, when his death falsified his prophecy, his followers added some material according to which his mortality could be proven. For this reason of close end of world, Prophet did not appoint a successor. See: Hurgronj, C. Snouck. 1937. Mohammedanism: Lectures on Its Origin, Its Religious and Political Growth and Its Present State (New York: G.P. Putnam's sons) http://answering-Islam.org/Books/Hurgronje/hurgronje1.htm. 4-5

[29] *Bell, Introduction. 46-7, 136/4*

[30] *EQ, vol, 1. 61-2.*

[31] *Kevin Bladel, "The Alexander legend in the Qur'ān", The Qur'an in its historical context" He also has critiqued the recent works for neglecting Noldeke's theory and specifically, he criticizes the entry in the EQ for this reason as , in his view, there was no more appropriate place for the mention of Noldeke's view than the EQ. 175*

[32] *Iqbal, The Qur'ān, 36-37*

[33] *For instance, the entire entry 'Book' describes the meaning of the word Kitāb without any reference to Arabic dictionary.*

[34] *See for instance the entries: Collection of the Qur'ān, Book, Hadih and the Qur'ān.*

[35] *There are numerous entries that establish its research or findings on Western views. However one can trace this attitude in the following pages; 200/1, 204/1, 207/1, 4/136.*

[36] *See for instance the works of Kenneth Crag, John Burton and many others who held the similar views about Muslim scholarship.*

[37] *Rippin, Western scholarship, 246*